استاد شہید مرتضیٰ مطہری

عبادت و نماز



دار الثقلین

عبادت و نماز

استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ترجمہ

سید سعید حیدر زیدی

یکے از مطبوعاتِ
دار الثقلین
پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ پاکستان

فہرست

عرض ناشر

زیر نظر رسالہ عبادت اور نماز کے موضوع پر استاد شہید مرتضیٰ مطہری کی دو تقاریر کا مجموعہ ہے۔ یہ تقاریر ۲۳ اور ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ کو حسینیہ ارشاد تہران میں کی گئیں۔ ان تقاریر میں شہید مطہری نے اسلام میں عبادات و معنویات کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے' خداوندِ عالم پر ایمان اور عبادات کے تربیتی اثرات پر گفتگو کی ہے اور فقط انہی میں ڈوب کے رہ جانے' یا انہیں یکسر نظر انداز کر دینے کی نفی کرتے ہوئے اسلام کے ایک جامع اور دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور فلاح کے طالب دین ہونے کی وکالت کی ہے۔

تقریر اور تحریر' اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے کے دو ذرائع ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا علیحدہ انداز اور مخصوص اثر ہوا کرتا ہے۔ مقرر اپنی حرکات و سکنات اور چشم و ابرو کی جنبش کے ذریعے بھی پیغام دیتا ہے' جبکہ تحریر اس سہولت سے محروم ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی تقریر کو اسکی پوری تاثیر کے ساتھ قلم بند کرنا ممکن نہیں۔ زیر نظر تقاریر کا ترجمہ کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ انکا تقریری انداز بھی محفوظ رہے اور ان میں کی جانے والی گفتگو بھی تحریر کی صورت میں پوری پوری پہنچ جائے۔ ہم اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہے اس سے ہمیں قارئین مطلع کریں گے۔

امید ہے ہماری دوسری مطبوعات کی طرح یہ مختصر کتابچہ بھی قارئین سے سندِ قبولیت پائے گا۔

عبادت و نماز

〈۱〉

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ہ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (سورۂ احزاب ۳۳- آیت ۴۱٬۴۲)

''ایمان والو! کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرو اور صبح و شام اسکی تسبیح کیا کرو۔''

نماز کی اہمیت

ہم اپنے مذہبی مضامین میں بعض ایسی چیزیں بھی دیکھتے ہیں جو کچھ اذہان میں عبادت کے موضوع پر سوالات پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً نماز کے بارے میں ہم سے کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے یا ائمۂ اطہارؑ (۱) کا فرمان ہے کہ :اَلصَّلٰوۃُ عَمُودُ الدِّینِ (نماز دین کا ستون ہے۔ وسائل الشیعہ - ج ۳ - ص ۲۳ - ح ۱۳)

یعنی اگر ہم دین کو ایک نصب شدہ خیمہ سمجھیں، جس میں اس کی چادر بھی ہے، طناب بھی، حلقہ بھی، زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی کیلیں بھی اور ایک ستون بھی جس نے اس خیمے کو کھڑا کیا ہوا ہے، تو نماز اس نصب شدہ خیمے کے ستون کی مانند ہے۔

---

(۱) کیونکہ یہ چیز پیغمبرؐ کے کلمات میں بھی پائی جاتی ہے اور ائمۂ اطہار علیہم السلام کے فرمودات میں بھی موجود ہے

حدیث نبویؐ میں، جو خود رسول کریمؐ سے نقل ہوئی ہے، خاص طور پر اسی بات کی بالکل اسی طرح وضاحت کی گئی ہے، جس طرح ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے۔

نماز کے بارے میں روایت ہے: اِنَّ قُبِلَتْ قُبِلَ مَاسوِیھا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَاسواھا ۔مراد یہ ہے کہ انسان کے تمام اعمال کی قبولیت نماز کے قبول ہونے سے مشروط ہے۔یعنی اگر انسان کوئی نیک عمل انجام دے لیکن نماز نہ پڑھے، یا نماز پڑھے تو سہی لیکن درست نہ پڑھے، ایسی نماز پڑھے جو بارگاہِ الٰہی میں قبول نہ کی جائے، مسترد کر دی جائے ۔تو ایسی صورت میں اسکے دوسرے تمام نیک اعمال بھی مسترد کر دیئے جائیں گے۔انسان کے تمام نیک اعمال کی قبولیت اسکی نماز کی قبولیت سے وابستہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: اَلصَّلوٰۃُ قُرْبَانُ کُلِّ تَقِی (نماز ہر متقی کے لئے وسیلۂ تقرب ہے۔ نہج البلاغہ - کلمات قصار ۱۳۶) ۔اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان اس وقت تک مومن سے دور اور اس سے ناراض رہتا ہے جب تک وہ اپنی نماز کی حفاظت اور پابندی کرتا ہے۔

احادیث و روایات میں کثرت کے ساتھ اس طرح کی باتیں ملتی ہیں، حتیٰ خود آیاتِ قرآنی سے اس مفہوم یعنی نماز کی غیر معمولی اہمیت کو اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس بارے میں اٹھنے والا ایک سوال جو گاہ بگاہ کچھ لوگوں کی زبان پر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ نماز کی اہمیت کے بارے میں اس قدر زیادہ احادیث میں سے کچھ احادیث تو ضرور جعلی ہوں گی، درست نہ ہوں گی، صحیح اور معتبر نہ ہوں گی، پیغمبرؐ یا ائمۂ اطہارؑ کا کلام نہ ہوں گی ؟ان احادیث کو شاید اس دور میں وضع کیا گیا ہو گا جس میں عالم اسلام میں زاہد اور عبادت گزار افراد کی کثرت ہو گئی تھی، یہ اس دور کی ساختہ ہوں گی جب (اسلامی دنیا) میں زہد و عبادت کا بازار گرم تھا، بالخصوص دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جبکہ زاہد مسلک اور عبادت میں حد سے گزر جانے والے افراد ظاہر ہوئے تھے، جو کم و بیش رہبانیت اختیار کر

چکے تھے۔

زاہداور صوفی نمالوگ

ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت سے دنیائے اسلام میں تصوف نے جنم لیا' اسی دور سے ایسے افراد پیدا ہو گئے تھے جو دیگر اسلامی فرائض و واجبات کو بھلا کر اپنی ساری طاقتیں صرف عبادت اور نماز میں صرف کرتے تھے۔

مثلاً ہم حضرت علیؑ کے اصحاب میں ربیع بن خثیم نامی ایک شخص کو پاتے ہیں' یہ وہی معروف خواجہ ربیع ہیں جن سے منسوب ایک قبر مشہدِ مقدس میں ہے۔اب میں یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ قبر انہی کی ہے یا نہیں' مجھے اس بارے میں خاطر خواہ معلومات نہیں۔البتہ اس بارے میں شک نہیں کہ یہ''زھادِ ثمانیہ''یعنی دنیائے اسلام کے آٹھ معروف زاہدوں میں سے ایک شمار کئے جاتے ہیں۔

ربیع بن خثیم کے زہد وعبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنی عمر کے آخری دور میں (۱) انہوں نے اپنی قبر کھودی اور وقتاً فوقتاً جا کے اس قبر میں لیٹ جایا کرتے اور اپنے آپ کو وعظ ونصیحت کرتے۔قبر میں لیٹ کر اپنے آپ سے کہتے کہ: یہ نہ بھلا بیٹھنا کہ آخر کار تمہیں یہیں آنا ہے۔

جب انہیں اطلاع ملی کہ لوگوں نے فرزند رسول حسین ابن علیؑ کو شہید کر دیا ہے تو انہوں نے اس اندوہناک واقعے پر اظہارِ افسوس کے طور پر صرف اتنا کہا کہ:''وائے ہو

۱۔ ربیع' حضرت علیؑ کے بعد امام حسینؑ کی شہادت کے زمانے تک حیات رہے' یہ تقریباً ۲۰ سال پر محیط عرصہ ہے۔یعنی جس زمانے میں امام حسینؑ کو شہید کیا گیا' یہ زندہ تھے۔کتابوں میں لکھا ہے کہ پورے ۲۰ سال ان کا کام فقط اور فقط عبادت تھا اور اس عرصے میں انہوں نے کوئی دنیاوی بات زبان سے ادا نہ کی۔

اس امت پر جس نے اپنے پیغمبر کے فرزند کو شہید کیا۔'' اور یہ (اس بیس سال کے عرصے میں) ذکرِ الٰہی اور دعا و مناجات کے سوا ان کی زبان سے ادا ہونے والا واحد جملہ تھا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں انہوں نے استغفار کیا اور پشیمان ہوئے کہ آخر کیوں میں یہ چند کلمات زبان پر لایا جو ذکرِ خدا نہ تھے۔

یہی ربیع بن خثیم، امیر المومنین حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں، حضرتؑ کی سپاہ میں شامل تھے۔ ایک روز امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یَـــا اَمِیـــر اَلْـمُؤمِنِینَ اَنَا شَکَکْنَا فِی هٰذَا الْقِتَال (۱)۔ اے امیر المومنین! ہمیں اس جنگ کے بارے میں شک ہے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں یہ جنگ غیر شرعی نہ ہو۔ (کیوں؟ کس وجہ سے؟) اس لئے کہ ہم اہل قبلہ (مسلمانوں) کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، ہم ایسے لوگوں کے خلاف تلواریں اٹھائے ہوئے ہیں جو ہماری ہی مانند شہادتین (کلمہ) پڑھتے ہیں، ہماری ہی طرح نماز ادا کرتے ہیں، ہماری ہی مثل رو بہ قبلہ کھڑے ہوتے ہیں۔

ربیع، امیر المومنین حضرت علیؑ کے شیعہ تھے اس لئے ان سے جدا بھی نہیں ہونا چاہتے تھے، لہٰذا کہتے ہیں: اے امیر المومنین! برائے کرم میرے سپرد کوئی ایسا کام کیجئے جو شک و شبہ سے پاک ہو۔ مجھے کسی ایسی جگہ، کسی ایسی ڈیوٹی پر بھیج دیجئے جس میں شک نہ ہو۔

امیر المومنینؑ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا: بہت اچھا، اگر تم شک میں مبتلا ہو تو میں تمہیں ایک دوسری جگہ بھیج دیتا ہوں۔

معلوم نہیں خود انہوں نے اس جگہ جانے کی درخواست کی یا خود امیر المومنینؑ ہی نے فیصلہ کر کے انہیں مملکتِ اسلامی کی سرحدوں میں سے ایک سرحد پر بھیج دیا، وہاں بھی وہ

۱- ان کے ''انا'' کہنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ کئی لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آئے تھے۔

سپاہی کی حیثیت سے تعینات تھے' لیکن یہ ایک ایسی سرحد تھی کہ اگر اتفاق سے وہاں جنگ اور خونریزی کی نوبت آتی بھی تو دوسری طرف کفار یا بت پرست ہوتے' غیر مسلم ہوتے۔

جی ہاں' یہ تھا اس زمانے کے زہاد اور عبادت گزار افراد کا ایک نمونہ۔

ایسا زہد و عبادت کس کام کا؟

کسی کام کا نہیں۔

ایک ایسا شخص جو حضرت علیؑ جیسی شخصیت کے لشکر میں شامل ہو۔ لیکن علیؑ کی دکھائی ہوئی راہ' اور علیؑ کے فرمانِ جہاد کے بارے میں شک وشبہے کا شکار ہو' یہ خیال اسکے ذہن میں آئے کہ آپؑ کا یہ فرمان' یہ حکم درست بھی ہے یا نہیں؟ اس موقع پر وہ احتیاط پر عمل کرے' احتیاط پر بنا رکھے۔ اسی طرح جیسے آج کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کیوں مشکوک روزہ رکھیں؟

آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان یہ بات بہت عام ہے' وہ کہتے ہیں کہ ہم کیوں ایسا روزہ رکھیں جس میں شک ہے' یہ بھی کوئی عمل ہوا؟ کیوں ایسی جگہ جنگ کریں جہاں شک ہو؟ ہمیں ایسی جگہ چلنا چاہئے جہاں رکھے جانے والے روزے میں شک نہ ہو

اس بات کی کیا اہمیت ہے؟

اسلام بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ عمل بھی طلب کرتا ہے بصیرت بھی۔ یہ شخص (خواجہ ربیع) بصیرت کے حامل نہ تھے۔ انہوں نے معاویہ اور یزید جیسے ظالم کے دور میں زندگی بسر کی۔ دورِ معاویہ جس میں دینِ خدا میں تبدیلیاں کی گئیں' اس میں بدعتیں ایجاد کی گئیں۔ یزید جو تاریخ اسلام کے بھیانک ترین جرائم کا مرتکب ہوا' اور پیغمبر اسلامؐ کی تمام تر کوششوں اور محنتوں پر پانی پھیر دینے کے درپے ہوا۔ لیکن ایسے دور میں یہ صاحب (خواجہ ربیع) گوشہ نشینی اختیار کر کے شب و روز مسلسل نماز میں مشغول رہتے ہیں' ذکرِ الٰہی کے سوا کوئی کلمہ ان کی زبان سے ادا نہیں ہوتا اور اگر حسین ابن علیؑ کی شہادت پر اظہارِ تاسف کے لئے ایک جملہ ان کی زبان سے نکل بھی جاتا ہے تو بعد میں اپنے اس عمل پر پشیمان ہوتے

ہیں، کہتے ہیں کہ یہ تو دنیوی بات ہوگئی، میں نے اس کی بجائے سبحان اللہ، الحمد للہ، کیوں نہ کہا؟ اسکی جگہ یا حی یا قیوم کیوں نہ کہا؟ اللہ اکبر اور لا حول و لا قوۃ الا باللہ کیوں نہ پڑھا؟

یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات سے موافق نہیں۔ لَا یُرَی الجَاهِلُ اِلَّا مُفْرِطاً اَوْ مُفَرِّطاً (جاہل کو نہ پاؤ گے مگر یا حد سے بڑھا ہوا اور یا اس سے بہت پیچھے۔ نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۲۶)۔ جاہل یا تو بہت آگے بڑھ جاتا ہے یا بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

دین کے بارے میں ایک غلط تصور

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: اَلصَّلوٰۃُ عَمُودُ الدِّین (نماز دین کا ستون ہے) والی بات کسی بھی طرح اسلامی تعلیمات سے موافق نہیں۔ کیونکہ دین اسلام تو سب چیزوں سے زیادہ اجتماعی مسائل کو اہمیت دیتا ہے۔ اسلام تو اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۱) کا دین ہے۔ اسلام تو لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۲) کا دین ہے۔ اسلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دین ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (۳) اسلام جہدِ مسلسل اور کوشش اور عمل کا دین ہے۔ اسلام ایک عظیم دین ہے۔

۱۔ بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۹۰۔

۲۔ بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے، تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔ سورۂ حدید ۵۷۔ آیت ۲۵۔

۳۔ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۱۱۰۔

ایک ایسا دین جو مذکورہ مسائل کو اتنی اہمیت دیتا ہے' کیسے ممکن ہے کہ وہ عبادت کے لئے اتنی زیادہ اہمیت کا قائل ہو؟ نہیں' دین اسلام میں عبادت کے مسئلے کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔ ہمیں اسلام کی اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کے نفاذ کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ عبادت بے کار لوگوں کا مشغلہ ہے۔ جنہیں کوئی اہم ترین کام نہ ہو وہ نماز پڑھیں' وہ عبادت کریں۔ لیکن ایک ایسا شخص جس کے سامنے اہم ترین کام ہوں اسکے لئے لازم نہیں کہ وہ عبادت بجالائے۔

یہ بھی ایک غلط فکر ہے اور انتہائی انتہائی خطرناک۔ اسلام کو اس طرح سمجھنا چاہئے' جیسا کہ وہ ہے۔

میرے ان عرائض کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کو میں اپنے معاشرے میں ایک بیماری کی صورت میں محسوس کر رہا ہوں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں جو لوگ اسلام کا نعرہ بلند کر رہے ہیں ان میں سے اکثر (البتہ سب کو نہیں کہتا) دو گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک گروہ ربیع بن خثیم جیسے طرزِ فکر کا حامل ہے' خواجہ ربیع کی طرح سوچتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک ''اسلام'' ذکر و دعا کرنے' نوافل پڑھ لینے' زیارات پر جانے اور زیارتِ عاشورہ کی قرآئت کا نام ہے۔ ایسے افراد کے نزدیک اسلام کے معنی مفاتیح اور زاد المعاد ہے (دعاؤں کی دو معروف کتابیں)۔ ان کا پورا کا پورا اسلام مفاتیح الجنان میں سمٹ آیا ہے۔ اسکے سوا ان کے نزدیک کسی اور چیز کا وجود ہی نہیں' یہ لوگ بالکل ربیع بن خثیم کی سی سوچ رکھتے ہیں۔ انہیں دنیا سے کوئی سروکار ہی نہیں' مسائل حیات سے کوئی غرض ہی نہیں' اسلام کی اجتماعی تعلیمات سے کوئی مطلب نہیں' اسلامی اصول و ارکان سے کوئی لگاؤ نہیں' اسلامی تربیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہیں سرے سے کسی بھی چیز سے مطلب نہیں۔

ان لوگوں کی تفریط کے ردِعمل میں ایک افراطی طبقہ پیدا ہوا ہے۔ یہ طبقہ اسلام کے

اجتماعی مسائل کو اہمیت دیتا ہے' ان کے بارے میں حساسیت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اس پہلو سے یہ لوگ قابل قدر ہیں۔ لیکن انہی لوگوں میں سے کچھ کو بعض اوقات میں دیکھتا ہوں کہ مثلاً مستطیع ہونے کے باوجود حج کو نہیں جاتے۔ یہ شخص جو واقعاً مسلمانوں سے' حقیقتاً اسلام سے لگاؤ رکھتا ہے' اسکا دل اسلام کے لئے دھڑکتا ہے' لیکن مستطیع ہوتے ہوئے بھی حج کو نہیں جاتا' اس کی نظر میں حج کی کوئی اہمیت ہی نہیں' تقلید ضروری ہے لیکن اسے اہمیت نہیں دیتا۔ حالانکہ تقلید ایک معقول بات ہے۔

تقلید کسے کہتے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ یا تو آپ' نماز روزہ جیسی چیزوں کے مسائل کو (مصادرِ شرع سے) براہِ راست خود اخذ کیجئے۔ یعنی اس میدان میں اس قدر ماہر ہو جایئے کہ اس مہارت کے بل بوتے پر خود استنباط کر سکیں۔ یا پھر یہ کہ احتیاط پر عمل کیجئے' جو ایک خاصا دشوار کام ہے۔ یا پھر ایک ماہر جامع الشرائط عادل شخص کا انتخاب کیجئے اور جس طرح ایک ماہر طبیب سے رجوع کر کے اسکے بتائے ہوئے پر عمل کرتے ہیں اسی طرح اس کی رائے پر عمل کیجئے۔ انسان بغیر تقلید کے رہ ہی نہیں سکتا۔ یعنی اگر وہ تقلید نہ کرے تو اپنے آپ کو بہت زیادہ مشکل میں ڈال لیتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ روزے کو اہمیت نہیں دیتے۔ اگر کسی سفر کی وجہ سے ان کا روزہ قضا ہو جائے تو اس قضا کو ادا نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنے آپ کو ایک کامل مسلمان سمجھتے ہیں۔ وہ اوّل الذکر گروہ بھی خود کو کامل مسلمان سمجھتا ہے' جبکہ نہ یہ کامل مسلمان ہیں نہ وہ۔

دینِ اسلام نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ (۱) سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان اسلامی عبادات کو تو اپنائے لیکن اسکے معاشرتی اور اخلاقی قوانین کو نہ لے'

۱۔ ہم بعض چیزوں پر ایمان لائیں گے اور بعض چیزوں کا انکار کریں گے۔ سورۂ نساء ۴۔ آیت ۱۵۰۔

اسکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اختیار نہ کرے۔ اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لے لے، اور اسلامی عبادات کو چھوڑ دے۔

قرآن مجید جہاں کہیں بھی اقیموا الصلاۃ کہتا ہے، اسکے فوراً بعد آتوا الزکاۃ کہتا ہے۔ اگر اقام الصلاۃ کہتا ہے تو اسکے بعد آتی الزکاۃ کہتا ہے۔ جب یقیمون الصلاۃ کہتا ہے تو اسکے بعد یوتون الزکاۃ کہتا ہے۔ یقیمون الصلاۃ کا تعلق بندے اور خدا کے درمیان رشتے سے اور یوتون الزکاۃ کا ربط بندگانِ خدا کے آپس کے تعلقات سے ہے۔

جس طرح ایک مردِ مسلمان کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان ایک مستقل اور مسلسل رابطے کی ضرورت ہے اسی طرح اسکے لئے ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے معاشرے کے درمیان بھی ایک مستقل اور مسلسل رابطہ قائم رکھے۔

بغیر عبادت کے، بغیر ذکرِ الٰہی کے، بغیر یادِ خدا کے، بغیر مناجات کے، بغیر حضورِ قلب کے، بغیر نماز کے، بغیر روزے کے ایک اسلامی معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا، حتیٰ خود انسان بھی سالم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح بغیر ایک سالم معاشرے کے، بغیر ایک سالم ماحول کے، بغیر امر بالمعروف کے، بغیر نہی عن المنکر کے، بغیر مسلمانوں سے پیار و محبت کے اور بغیر دوسروں کی مدد اور ان کے ساتھ تعاون کے انسان ایک اچھا عبادت گزار بندہ نہیں بن سکتا۔

علیؑ ایک جامع الصفات ہستی

آپ اگر حضرت علی ابن ابی طالب کی حیات پر ایک سرسری سی نگاہ بھی ڈالیں تو پتا چل جاتا ہے کہ آپ ایک عابد بلکہ دنیا کے اولین درجے کے عابد ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی عبادت تمام عالم میں ضرب المثل بن جاتی ہے۔ عبادت بھی ایسی کہ فقط خم و راست ہونا

نہیں' (بے روح رکوع و سجود نہیں) بلکہ ایسی عبادت جو اول سے آخر تک جذبات سے' ولولے سے' عشق سے' گریہ وزاری سے لبریز ہے۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ''ضرار'' نامی ایک شخص کی معاویہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ معاویہ کو معلوم تھا کہ ''ضرار'' حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔ چنانچہ فرمائش کی: تم علی کے ساتھ ہوا کرتے تھے' میرے سامنے ان کے فضائل بیان کرو۔ خود معاویہ اچھی طرح حضرت علیؑ سے واقف تھے۔ لیکن اسکے باوجود وہ دوسروں سے ان کے بارے میں سننا پسند کرتے تھے کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں سے حضرت علیؑ کی عظمت کے قائل تھے' حالانکہ یہی تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کے خلاف تلوار تک اٹھائی تھی۔

انسان ایسا ہی موجود ہے!! وہ علیؑ کے عقیدتمند بھی تھے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت علیؑ کے خلاف ناپسندیدہ اقدامات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''ضرار'' نے معاویہ کے سامنے اپنا ایک مشاہدہ نقل کیا۔ کہا: میں نے ایک رات علیؑ کو محرابِ عبادت میں دیکھا: يَتَمَلْمَلُ تَمَلْمُلَ السَّلِيم وَيَبْكِي بُكَاءَ الْحَزِينِ۔ یعنی آپؑ محرابِ عبادت میں خوفِ خدا سے' ایک ایسے شخص کی مانند تڑپ رہے تھے جسے سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ایک انسان کی مانند گریہ وزاری میں مشغول تھے' سرد آہیں بھرتے تھے' آتش جہنم سے لرزاں آہ آہ کرتے تھے۔ مولائے کائنات کی یہ کیفیت سن کر معاویہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔

اسی طرح جب حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ایک موقع پر معاویہ اور عدی بن حاتم کی ملاقات ہوئی تو معاویہ نے عدی بن حاتم کو حضرت علیؑ کے خلاف بھڑکانا چاہا۔ عدی سے کہا: این الطرفات؟ طریف' طرفہ اور طارف کیا ہوئے؟

۱۔ حضرت عدی بن حاتم کے تین فرزند تھے' جن کے نام طریف' طرفہ اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حضرت عدی بن حاتم نے جواب دیا: وہ سب صفین میں علیؑ کی رکاب میں شہید ہو گئے۔

معاویہ نے کہا: علیؑ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی' اپنے بچوں حسنؑ حسینؑ کوتو پیچھے رکھااور تیرے بچوں کوآگے کر کے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

حضرت عدی بن حاتم نے جواب دیا: حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے علیؑ کے ساتھ ناانصافی کی۔اگر میں انصاف کرتا تو آج میں زندہ اور علیؑ زیرِ خاک نہ ہوتے۔

معاویہ نے جب اپنا نشانہ خطا جاتے دیکھا تو عدی سے کہا: اے عدی! میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھے علیؑ کے بارے میں کچھ بتاؤ۔عدی بن حاتم نے تفصیل کے ساتھ حضرت علیؑ کے اوصاف بیان کئے۔وہ کہتے ہیں کہ آخر میں' میں نے دیکھا کہ معاویہ زار و قطار رو رہے ہیں۔اسکے بعد انہوں نے آستین سے اپنے آنسو صاف کئے اور کہا: افسوس کہ زمانہ علیؑ کی مانند انسان جننے سے بانجھ ہے۔

دیکھئے حقیقت کیسے جلوہ گر ہوتی ہے؟

یہ تو تھی حضرت علیؑ کی عبادت' لیکن کیا علیؑ صرف اہل محراب تھے' محراب کے سوا کہیں اور نظر نہ آتے تھے؟

ہم حضرت علیؑ کی زندگی کے ایک اور رخ کا جائزہ لیتے ہیں (اور وہ آپؑ کی حیاتِ اجتماعی سے تعلق رکھتا ہے) آپؑ ہر لحاظ سے ایک اجتماعی ترین فرد تھے' ضرورت مندوں' بے کسوں' مسکینوں اور لاچاروں کے حالات سے واقف ترین فرد تھے۔خلیفہ ہونے کے

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) طارف تھے۔ان کے ان تینوں فرزندوں نے حضرت علیؑ کی رکاب میں جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا۔معاویہ عدی بن حاتم کے جذبات بھڑکانا چاہتے تھے۔لہذا ان کے زخموں پر نمک پاشی کی تاکہ ان کے منہ سے حضرت علیؑ کے خلاف ایک لفظ ہی نکلوا سکیں۔

باوجود آپؑ دن کے وقت اپنا درہ یعنی کوڑا کاندھے پر لٹکائے، بنفس نفیس لوگوں کے درمیان گشت فرماتے تھے۔ ان کے معاملات کا جائزہ لیتے تھے۔ جب تاجروں کے پاس پہنچتے تو فرماتے: اَلْفِقْهُ ثُمَّ الْمَتْجَر (۱)۔ جاؤ پہلے تجارت کے مسائل سیکھو، اسکے شرعی احکام کی تعلیم حاصل کرو، اسکے بعد آ کے تجارت کرنا۔ حرام خرید و فروخت نہ کرو، سودی معاملہ نہ کرو۔

اگر کسی کو تاخیر سے اپنے کام پر جاتے دیکھتے تو فرماتے۔ اُغْدُوا اِلٰی عِزِّكُمْ۔

ایک انتہائی عبادت گزار فرد ہونے کے ساتھ ساتھ آپؑ میں یہ خصوصیت بھی تھی۔

پہلی مرتبہ میں نے مذکورہ حدیث مرحوم آیت اللہ العظمٰی بروجردیؒ کی زبانی سنی تھی۔ ایک مرتبہ ایک گداگر، آقائے بروجردی کے یہاں آ کے ان کے سر ہو گیا، اور کچھ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس پر نگاہ ڈالی، دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ شخص محنت مزدوری کر سکتا ہے لیکن گداگری کو اس نے اپنا پیشہ بنا لیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اسے نصیحت کی اور بہت سی دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کا یہ جملہ بھی فرمایا: کہا کہ امیر المومنینؑ لوگوں سے فرماتے تھے: اُغْدُوا اِلٰی عِزِّكُمْ (۲) علی الصبح اپنی عزت و شرف کی طرف روانہ ہوا کرو۔ یعنی اپنے کام، محنت مزدوری اور حصول روزگار کی طرف جایا کرو۔ انسان اس وقت عزیز و سربلند ہے جب وہ خود کماتا ہو، اپنی معاش کا بندوبست خود کرتا ہو۔ محنت مزدوری عزت ہے، شرافت ہے۔

اسے کہتے ہیں حقیقی مثالی مسلمان۔

آپؑ عبادت کے میدان میں سرِ فہرست عبادت گزار ہیں۔ جب قضاوت کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو ایک عادل قاضی ہیں، ذرہ برابر بے انصافی نہیں کرتے۔ جب

۱- وسائل الشیعہ - ج ۱۲ - ص ۲۸۲ - ح ۱۔ ۲- وسائل الشیعہ - ج ۱۲ - ص ۴ - ح ۱۰۔

میدانِ جنگ کا رخ کرتے ہیں تو ایک بہادر سپاہی اور شجاع سپاہ سالار ہیں، ایک اول درجے کے کمانڈر ہیں، خود فرماتے ہیں: میں نے ابتدائے شباب ہی سے جنگ کی ہے، جنگ کا تجربہ رکھتا ہوں۔ اور جب آپؑ خطابت کی کرسی پر تشریف فرما ہوتے ہیں تو اوّل درجے کے خطیب ہیں۔ جب تدریس کی ذمے داری سنبھالتے ہیں تو اول درجے کے معلم و مدرس ہیں۔

ہر ایک فضیلت میں آپؑ کا یہی حال ہے۔ یہ ہیں اسلام کا نمونۂ کامل۔

اسلام کسی صورت نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اسلام کے اس ایک پہلو کو تو مانیں گے لیکن اس کے اس دوسرے پہلو کا انکار کریں گے۔ دنیائے اسلام میں پیدا ہونے والے انحراف کا نقطۂ آغاز یہی ہے۔ اگر ہم اسلام کے کسی ایک پہلو کو لے لیں لیکن اسکے دوسرے پہلوؤں کو چھوڑ دیں تو اس طرح ہر چیز میں خرابی اور بگاڑ پیدا کر بیٹھیں گے۔

جس طرح گزشتہ ادوار میں ہمارے بہت سے زاہد پیشہ افراد کی روش غلط تھی، ایسے لوگوں کی روش غلط تھی جو پورے اسلام کو مثلاً مفاتیح الجنان میں منحصر سمجھتے ہیں، (دعاؤں کی ایک کتاب) بیاض میں محدود کر دیتے ہیں، اسی طرح ایسے لوگوں کی روش بھی غلط ہے جو دعا، عبادت، نوافل اور فرائض کو یکسر چھوڑ بیٹھتے ہیں اور اسلام کے صرف اجتماعی مسائل کے بارے میں توجہ چاہتے ہیں۔

مردِ مسلمان کی بعض نمایاں صفات

سورۂ مبارکہ ''انا فتحنا'' میں ارشادِ الٰہی ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے سخت ترین اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں۔ سورۂ فتح ۴۸ –

آیت ۲۹)

اس آیت میں ایک اسلامی معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ سب سے پہلے جس مسئلے کا ذکر کیا گیا ہے وہ پیغمبر کی معیت اوران پر ایمان ہے' اسکے بعد اشداء علی الکفار یعنی بیگانوں کے مقابلے میں سخت ترین' قوی اور طاقتور ہونے کا ذکر ہے۔

پس وہ خشک مقدس نما لوگ جو مسجد میں ڈیرہ جمائے رہتے ہیں' ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود صرف ایک سپاہی کی للکار پر دم سادھ لیتے ہیں اور چوں بھی نہیں کرتے' وہ مسلمان نہیں۔

قرآن کریم نے مسلمان کی ایک خصوصیت' بلکہ اولین خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ وہ دشمن کے بالمقابل سخت' پائیدار اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ اسلام ست اور کمزور مسلمان کو پسند نہیں کرتا: وَلاَ تَهِنُوْا وَلاَ تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (خبردار سستی نہ کرنا مصائب پر محزون نہ ہونا' اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو سربلندی تمہارے ہی لئے ہے۔ سورۂ آل عمران ۳ - آیت ۱۳۹)۔

اسلام میں سستی اور کمزوری کی کوئی گنجائش نہیں۔ ویل ڈیورنٹ کتاب ''تاریخ تمدن'' میں کہتا ہے: اسلام کی مانند' کسی اور دین نے اپنے ماننے والوں کو قوت و طاقت کے حصول کی دعوت نہیں دی۔

گردن ڈالے رکھنا' گوشۂ لب سے رال ٹپکنا' گریبان (collar) کا ایک طرف ڈھلکا ہونا' اسکا گندہ ہونا' خود کو غریب ولاچار ظاہر کرنا' زمین پر پیر گھسیٹ کر چلنا' عبا سر پر ڈال لینا' یہ سب چیزیں اسلامی تعلیمات کے برعکس ہیں۔ یوں ہی بلا وجہ آہیں بھرنا اسلام کے خلاف ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو مسلسل بیان کرتے رہنا۔ سورۂ ضحیٰ ۹۳ - آیت ۱۱)

خدا نے آپ کو صحت دی ہے، جسمانی سلامتی دی ہے، قوت عطا کی ہے، طاقت و توانائی سے نوازا ہے۔ آپ اپنی کمر سیدھی رکھ سکتے ہیں تو کیوں بلا وجہ اسے جھکاتے ہیں؟ آپ اپنی گردن سیدھی رکھ سکتے ہیں، کیوں بغیر کسی وجہ کے اسے ایک جانب لٹکائے رکھتے ہیں؟ کیوں بے وجہ آہ و نالہ بلند کرتے ہیں؟ آہ و نالہ تو انسان تکلیف کی حالت میں بلند کرتا ہے۔ خدا نے آپ کو کسی درد اور تکلیف میں مبتلا نہیں کیا ہے، تو پھر کیوں آپ آہیں بھرتے ہیں؟ یہ تو نعماتِ الٰہی کا کفران ہے۔ کیا علیؑ بھی اسی طرح راستہ چلتے تھے جیسے ہم اور آپ چلتے ہیں؟ کیا علیؑ اسی طرح عبا سر پر ڈالتے تھے اور اسی طرح ٹیڑھے ٹیڑھے چلتے ہوئے راستہ طے کرتے تھے؟ (۱)۔ ان چیزوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اشداء علی الکفار یعنی بے گانوں کے مقابل سخت ترین، پکے اور مضبوط، جیسے سدِ سکندری۔

(ایک مردِ مسلم کو) حلقۂ یاراں میں، مسلمانوں کے ساتھ، کس طرح ہونا چاہئے؟ رحماء بینھم یعنی آپس میں مہربان، گہرے دوست (ایک دوسرے کے ساتھ ریشم کی طرح نرم ہونا چاہئے)۔

(اسکے برخلاف) جب ہم اپنے بعض مقدس نما لوگوں سے ملتے ہیں، ان کے یہاں جاتے ہیں تو جو چیز ہمیں ان میں نظر نہیں آتی وہ یہی اخلاص اور مہربانی ہے۔ ہمیشہ ان کی تیوریوں پر بل پڑے رہتے ہیں، بداخلاق اور ترش رو ہیں۔ کسی کے ساتھ گرم جوشی سے پیش نہیں آتے، کسی سے ہنس کے نہیں ملتے، دنیا کے ہر انسان پر احسان رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں، یہ لوگ خود کو اسلام سے وابستہ ظاہر کرتے ہیں۔

یہ تھی (ایک مسلمان میں پائی جانے والی) دوسری خصوصیت۔

۱۔ شہید مطہری نے ان سطور میں اپنے دور کے بعض علما نما افراد کی تصویر کشی کی ہے (مترجم)

کیا یہی کافی ہے؟

کیا مسلمان ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ انسان کفار کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اہل اسلام سے مہربانی اور پیار ومحبت کا برتاؤ کرے؟ ۔ ۔ ۔ ۔ جی نہیں: تَرٰهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَاناً (تم انہیں دیکھو گے کہ بارگاہِ احدیت میں سر جھکائے ہوئے سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگار سے فضل وکرم اور اسکی خوشنودی کے طلبگار ہیں ۔سورۂ فتح ۴۸ - آیت ۲۹)

وہ شخص جو بے گانوں کیلئے سخت دل اور اپنوں کے لئے مشفق ومہربان ہے' اسی فرد کو جب محرابِ عبادت میں دیکھو گے تو رکوع وسجود' دعا وعبادت اور مناجات میں مشغول پاؤ گے۔ رکعاً و سجداً اسکی عبادت ہے۔ یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا اسکی دعا ہے۔

البتہ ہم دعا اور عبادت کے درمیان حد بندی کے قائل نہیں ہیں۔ دعا عبادت ہے اور عبادت بھی دعا ہے۔لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عمل فقط اور فقط خالص دعا ہوتا ہے۔یعنی ایک ایسی عبادت ہوتی ہے جو صرف دعا پر مشتمل ہے۔لیکن کچھ عبادات ایسی ہیں جن میں دعا اور دعا کے علاوہ دوسری چیزیں بھی پائی جاتی ہیں' جیسے نماز۔ اسی طرح اور عبادات ہیں جو بنیادی طور پر دعا نہیں' جیسے روزہ۔

سِيمَاهُمْ فِيْ وُجُوهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے چہروں پر نشان پائے جاتے ہیں)۔ یہ لوگ اتنے زیادہ عبادت گزار ہیں کہ عبادت کے آثار' تقوی کے آثار' خدا پرستی کے آثاران کے چہروں سے عیاں ہیں۔ان کو دیکھنے والا ہر شخص ان کے وجود میں خدا کی معرفت اور خدا کی یاد کا نظارہ کرتا ہے' اور انہیں دیکھ کر یادِ خدا میں ڈوب جاتا ہے۔

شاید رسول کریمؐ ہی سے منقول ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں

نے ان سے سوال کیا: یا روح اللہ! مَنْ نُجَالِسُ ؟ (اے روح اللہ! ہم کس قسم کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھیں؟)۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: مَنْ يُذَكِّرُكُمُ اللهَ رُؤْيَتُهُ وَيَزِيدُ فِي عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهُ وَيُرَغِّبُكُمْ فِي الْخَيْرِ عَمَلُهُ(۱) (ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھو جسے دیکھ کر خدا کی یاد میں ڈوب جاؤ)' اسکی شکل وصورت پر' اسکے چہرے مہرے پر خدا ترسی کو دیکھو۔ علاوہ ازایں یزید فی علمکم منطقه (جب وہ بات کرے تو اسکی باتوں سے استفادہ کرو' اسکی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے) یرغبکم فی الخیر عمله (اسکا کردار دیکھ کر' تمہارے اندر بھی نیک کاموں کا شوق پیدا ہو)۔

آگے چل کر آیت کہتی ہے: ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهُ فَاٰزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (یہی ان کی مثال توریت میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے۔ جیسے کوئی کھیتی ہو جو پہلے سوئی نکالے' پھر اسے مضبوط بنائے' پھر وہ موٹی ہو جائے اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے کہ کاشتکاروں کو خوش کرنے لگے تاکہ ان کے ذریعے کفار کو جلایا جائے۔ سورۂ فتح ۴۸- آیت ۲۹)

توریت وانجیل میں ان کی یہی صفت بیان کی گئی ہے' ایک ایسی ملت کے وجود میں آنے کی بات کی گئی ہے۔ ان کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے' اس انداز میں توصیف کی گئی ہے۔ ان کی مثال ایک زراعت کی مثال ہے' گندم کے ایک دانے کی مانند ہیں جسے زمین میں بویا جاتا ہے اور کیونکہ یہ دانہ زندہ ہوتا ہے اس لئے ایک باریک پتی کی صورت میں اپنا سر زمین سے باہر نکالتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ یک سخت پتے کی صورت اختیار کر لیتا

۱- اصول کافی - ج ۴ - کتاب فضل العالم ' باب مجالس العلماء وصحبتهم -

ہے' اس میں مضبوطی اور استحکام آ جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایک موٹی ڈالی بن جاتا ہے۔ اسکے بعد خود اپنے قدموں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ابتدا میں وہ زمین پر پڑا ہوا ایک معمولی سا پتا تھا' جسے ثبات و استحکام حاصل نہ تھا۔ بعد میں یہ ایسا پھلتا پھولتا ہے کہ انسان شناسی کے تمام ماہرین کو حیرت زدہ کر دیتا ہے اور وہ فکر میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسی پختہ اور شاندار قوم وجود میں آئی ہے۔ البتہ حیرت و استعجاب کا باعث ایسی ہی قوم ہوسکتی ہے جو اشداء علی الکفار بھی ہو' رحماء بینھم بھی ہو اور رکعاً سجداً اور یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا بھی ہو۔ اس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہوں۔

اب بتایئے ہم مسلمان اس قدر زوال و انحطاط کا شکار کیوں ہیں؟ اس قدر بد بخت اور ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ بتایئے ان مذکورہ خصوصیات میں سے کونسی خصوصیت ہمارے اندر موجود ہے؟ اور ہم کیا توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں؟

معنویات کو خفیف نہ سمجھئے

ہمیں صد در صد اعتراف ہے کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے' اسکے احکام و فرامین اسکے اجتماعی ہونے کے عکاس ہیں۔ لیکن یہ حقیقت اس بات کا سبب نہیں ہوسکتی کہ ہم عبادت' دعا اور خدا سے ارتباط کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں' انہیں معمولی سمجھنے لگیں' نماز کو بے اہمیت سمجھیں۔

نماز کو خفیف اور معمولی سمجھنا بھی ایک گناہ ہے۔ نماز نہ پڑھنا ایک بڑا گناہ ہے لیکن نماز پڑھنا مگر اسے خفیف سمجھنا' اسے بے اہمیت قرار دینا بھی ایک گناہ ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد (آپؑ کے ایک صحابی) ابو بصیر تعزیت کی غرض سے ام حمیدہ کے یہاں حاضر ہوئے۔ ام حمیدہ رونے لگیں۔ ابو بصیر' جو نا بینا تھے وہ بھی رونے لگے۔ اسکے بعد ام حمیدہ نے ابو بصیر سے کہا: اے ابو بصیر! تم نہ تھے' تم

نے اپنے امامؑ کے آخرلمحات کو نہ دیکھا' اس وقت ایک عجیب قصہ ہوا۔ امامؑ قریب عالم غشی میں تھے' اسی اثنا میں آپؑ نے اپنی آنکھوں کو کھولا اور فرمایا: میرے تمام نزدیکی رشتے داروں کو بلاؤ' سب کو میرے سرہانے جمع کرو۔ ہم نے امامؑ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب لوگوں کو اکھٹا کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو امامؑ نے اسی عالم غشی میں' جبکہ آپؑ اپنی حیاتِ مبارک کے آخری لمحات طے کر رہے تھے' اپنی آنکھوں کو کھولا' اردگرد جمع ہونے والوں کی طرف رخ کیا اور صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا: **اِنَّ شَفَاعَتَنَا لاٰ تَنَالُ مُسْتَخِفًّا بِالصَّلوٰۃِ** (ہماری شفاعت کسی بھی صورت میں ان لوگوں کو نہ ملے گی جو نماز کو معمولی سمجھتے ہیں۔ وسائل الشیعہ۔ ج ۳۔ ص ۱۷۔ ح ۱۱)۔ امامؑ نے صرف اتنا کہا اور جان' جان آفرین کے سپرد کر دی۔

امامؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہماری شفاعت ان لوگوں کو نہ ملے گی جو نماز نہیں پڑھتے۔ ان لوگوں کا معاملہ تو بالکل واضح (clear) ہے۔ بلکہ فرمایا کہ ایسے لوگ جو نماز کو سبک اور معمولی سمجھتے ہیں' وہ ہماری شفاعت نہ پاسکیں گے۔

کون لوگ ہیں جو نماز کو سبک اور معمولی سمجھتے ہیں؟

نماز کو معمولی چیز اور بے اہمیت سمجھنے والے لوگ وہ ہیں جنہیں وقت اور فرصت میسر ہوتی ہے' وہ اطمینان کے ساتھ ایک اچھے طریقے سے نماز پڑھ سکتے ہیں' لیکن ایسا نہیں کرتے۔ ظہر عصر کی نماز اس وقت پڑھتے ہیں جب سورج غروب ہونے کو ہوتا ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ سورج ڈوبنے کو ہے تو بھاگم بھاگ وضو کرتے ہیں' جھٹ پٹ نماز پڑھتے ہیں اور تیزی کے ساتھ سجدہ گاہ ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسی نماز پڑھتے ہیں جس کا نہ مقدمہ ہوتا ہے نہ موخرہ' نہ جس میں اطمینان ہوتا ہے نہ حضورِ قلب۔ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں' جیسے نماز بھی دوسرے معمولی کاموں کی طرح کا ایک کام ہے۔

یہ ہے نماز کو خفیف سمجھنا۔ ایسی نماز' اس نماز سے بہت زیادہ مختلف ہے جس کی

طرف انسان ذوق وشوق کے ساتھ جاتا ہے۔ جوں ہی ظہر کا اول وقت آتا ہے وہ مکمل اطمینان کے ساتھ جا کر وضو کرتا ہے، ایسا وضو جس میں تمام آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہوتا ہے۔ اسکے بعد جانماز پر آ کر اذان و اقامت کہتا ہے اور سکون اور دل جمعی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ سلام کہہ کر فوراً ہی کھڑا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اطمینانِ قلب کے ساتھ کچھ دیر تعقیباتِ نماز پڑھتا ہے، ذکرِ خدا کرتا ہے۔۔۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ (اس گھر میں) اس کی نظر میں نماز کو احترام حاصل ہے۔

ایسے نمازی جو نماز کو خفیف قرار دیتے ہیں، یعنی حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں، وہ فجر کی نماز عین طلوعِ آفتاب کے وقت پڑھتے ہیں اور ظہر وعصر کی نماز غروبِ آفتاب کے وقت ادا کرتے ہیں، مغرب اور عشاء کی نماز انہیں رات کے چار گھنٹے گزر جانے کے بعد یاد آتی ہے۔ یہ لوگ برق رفتاری اور تیزی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے بچے سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔

آپ اگر حقیقی نماز گزار بننا چاہتے ہیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے بھی نماز کے پابند بنیں تو آپ کو نماز کا احترام کرنا چاہئے۔ ہم آپ سے صرف یہ تقاضا نہیں کر رہے کہ نماز پڑھئے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ چاہتے ہیں کہ نماز کا احترام کیجئے۔ اس مقصد کیلئے پہلے تو خود اپنے لئے گھر میں نماز پڑھنے کی ایک مخصوص جگہ بنائیے (یہ مستحب بھی ہے)۔ یعنی گھر میں ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیجئے جو آپ کی عبادت گاہ ہو، مصلا نما ایک چیز اپنے لئے بنائیے۔

جیسے پیغمبرؐ نے نماز کے لئے ایک جگہ معین کی ہوئی تھی اگر ممکن ہو تو آپ بھی ایک کمرے کو نماز پڑھنے کی جگہ کے طور پر مقرر کر لیجئے۔ اگر گھر میں کمرے زیادہ نہ ہوں تو خود اپنے کمرے میں نماز کے لئے ایک خاص جگہ معین کر لیجئے۔ ایک پاک صاف جانماز وہاں رکھئے، نماز کے لئے کھڑے ہونے سے قبل اسے بچھائیے۔ آپ کے پاس ایک مسواک بھی

ہو' ذکر پڑھنے کے لئے تسبیح بھی ہو۔

جب وضو کر رہے ہوں تو اسے بھی جلدی جلدی اور عجلت میں نہ کیجئے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم علیؑ کے شیعہ ہیں۔ برادرِ عزیز! نام رکھ لینے سے علیؑ کا شیعہ نہیں ہوا جا سکتا' جس شخص نے حضرت علیؑ کے وضو کو بیان کیا ہے وہ کہتا ہے: علی ابن ابی طالبؑ جب وضو کے لئے تشریف لاتے اور ہاتھوں کو پانی میں ڈالتے (وضو کا پہلا مستحب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے) تو فرماتے: بِسْمِ اللهِ وَ بِاللهِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِینَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِینَ (اللہ کے نام اور اللہ ہی کے سہارے سے۔ خدایا! مجھے توبہ کرنے والوں میں قرار دے' مجھے پاکیزہ رہنے والوں میں قرار دے)

دو دن پہلے ہم نے توبہ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ توبہ کے معنی خود کو پاکیزہ کرنا ہیں۔ پانی رمز طہارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب علیؑ پانی کا رخ کرتے ہیں تو' توبہ کو یاد کر کے' اپنے ہاتھوں کو صاف کرتے ہوئے' اپنی روح کی طہارت کی جانب متوجہ ہو کے' ہم سے کہتے ہیں کہ جب اس پانی' جب اس طہور' جب اس مادے کا سامنا کرو جسے خدا نے پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے' جب اس مادے کی طرف جاؤ اور تمہاری نگاہ اس پر پڑے اور اپنے ہاتھوں کو اس سے دھوؤ اور پاک کرو تو یہ بات ذہن میں رکھو کہ ایک اور پاکیزگی بھی ہے' ایک اور پانی بھی ہے' وہ پاکیزگی روح کی پاکیزگی ہے اور وہ پانی' توبہ کا پانی ہے۔

کہتے ہیں کہ ہاتھوں کو دھونے کے بعد علیؑ' اپنے چہرے پر پانی ڈالتے اور فرماتے:
اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْهِی یَوْمَ تَسْوَدُّ فِیهِ الْوُجُوهُ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِی یَوْمَ تَبْیَضُّ فِیهِ الْوُجُوهُ۔

آپؑ اپنے چہرے کو دھوتے ہیں اور حسب ظاہر صاف کرتے ہیں۔ خوب! جب اپنے چہرے کو پانی سے دھوتے ہیں تو وہ سفید براق ہو جاتا ہے۔ لیکن علیؑ اسی پر اکتفا نہیں

کرتے، اسلام بھی اسی پر اکتفا کا قائل نہیں۔ یہ عمل درست ہے اور اس پر عمل بھی کرنا چاہئے لیکن ایک اور پاکیزگی کے ساتھ اور ایک اور نورانیت کے ہمراہ، چہرے پر ایک اور سفیدی ہونی چاہئے۔ فرماتے ہیں: خدایا میرے چہرے کو اس دن روشن کر دینا جس دن چہرے سیاہ ہو جائیں (روزِ قیامت) اور اس دن چہرے کو سیاہ نہ کرنا جس دن چہرے روشن ہو جائیں۔

اس کے بعد دائیں ہاتھ پر پانی ڈال کے فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِی کِتَابِی بِیَمِینِی وَالْخُلْدَ فِی الْجِنَانِ بِیَسَارِی وَ حَاسِبْنِی حِسَاباً یسیراً (خدایا! قیامت میں میرا نامۂ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دینا (کیونکہ کامیاب اور نجات یافتہ لوگوں کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا) اور جنت مجھے آسانی سے عنایت فرما دینا، اور حساب میں بھی آسانی فرمانا)۔ اس طرح آپؑ آخرت کے حساب کو یاد کرتے ہیں۔

اس کے بعد بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ لَا تُعْطِنِی کِتَابِی بِشِمَالِی وَلَا مِنْ وَرَاءِ ظَھْرِی وَلَا تَجْعَلْھَا مَغْلُولَةً اِلٰی عُنُقِی وَاَعُوذُبِکَ مِنْ مُقَطَّعَاتِ النِّیرَانِ (خدایا! میرے نامۂ اعمال کو بائیں ہاتھ میں یا پشت کی طرف سے نہ دینا۔ (کچھ لوگوں کا نامۂ اعمال انہیں پیچھے سے پکڑایا جائے گا اور یہ بھی ایک رمز ہے) اور نہ میرے ہاتھوں کو میری گردن سے باندھ دینا۔ میں جہنم کی آگ کے قطعات سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

کہتے ہیں: اسکے بعد آپؑ نے سر کا مسح کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰھُمَّ غَشِّنِی بِرَحْمَتِکَ وَ بَرَکَاتِکَ (خدایا! مجھے اپنی رحمت اور برکتوں میں ڈبو دے)

پھر آپؑ نے پیر کا مسح کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِی عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیهِ الْاَقْدَامُ (خدایا! میرے ان قدموں کو صراط پر اس دن ثابت رکھنا جس

دن سارے قدم پھسل رہے ہوں گے) وَاجعَل سَعیِی فیما یَرضِکَ عَنّی (میرے عمل اور کدوکاوش کوان کاموں میں قرار دینا جو تجھے راضی کرسکیں)

ایسا وضو جو اس قدر عشق واشتیاق اور توجہ واہتمام کے ساتھ کیا جائے گا' وہ (بارگاہِ الٰہی میں) ایک علیحدہ ہی انداز سے قبول کیا جائے گا' اور وہ وضو جو ہم اور آپ کرتے ہیں اسکی قبولیت کسی اور طرح کی ہوگی۔

پس نماز کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے' سبک نہیں شمار کرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان دورانِ نماز صرف اسکے واجبات کی ادائیگی پر اکتفا کی کوشش کرے۔ (اور جب کوئی اسے اس جانب متوجہ کرے تو کہے کہ) آؤ' دیکھیں' مرجع تقلید کا فتویٰ کیا ہے' کیا وہ کہتے ہیں کہ (دوسری اور تیسری رکعت میں) تین مرتبہ سبحان اللّٰہ' والحمد اللّٰہ' ولا الہ الا اللّٰہ' واللّٰہ اکبر کہنا چاہئے' یا اسے ایک ہی مرتبہ کہنا کافی قرار دیتے ہیں؟

جی ہاں (درست ہے کہ)' مجتہد فتویٰ دیتے ہیں کہ اسے ایک ہی مرتبہ کہنا کافی ہے۔ البتہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ احتیاطِ مستحب یہ ہے کہ اسے تین مرتبہ کہا جائے۔ لہٰذا ہمیں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ جب مجتہد نے ایک مرتبہ کہنا کافی قرار دیا ہے تو ہم بھی صرف ایک ہی مرتبہ کہیں گے۔ یہ دراصل نماز سے جی چرانا ہے۔ ہمیں ایسا ہونا چاہئے کہ اگر مجتہد ایک مرتبہ کہنا واجب قرار دے اور مزید دو مرتبہ کہنا مستحب سمجھے' تو ہم بہتر سمجھتے ہوئے اس مستحب کو بھی انجام دیں ہے۔

روزے کو بھی معمولی اور خفیف نہیں بنا دینا چاہئے۔ بعض لوگوں کا روزہ رکھنے کا ایک خاص انداز ہے (یہ میں از راہِ مذاق کہہ رہا ہوں) کہ نعوذ باللہ اگر میں خدا کی جگہ ہوں تو کسی صورت ان کا یہ روزہ قبول نہ کروں۔

میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو ماہِ رمضان میں رات بھر نہیں سوتے۔ البتہ ان کی یہ شب بیداری عبادت کی غرض سے نہیں ہوتی بلکہ اس لئے جاگتے ہیں کہ ان کی نیند پوری نہ

ہو سکے۔ صبح تک چائے پینے اور سگریٹ نوشی میں وقت گزارتے ہیں۔ صبح طلوع ہونے کے بعد اول وقت نمازِ فجر پڑھ کے سو جاتے ہیں اور (سارے دن سو کر) اُس وقت بیدار ہوتے ہیں جب ظہر اور عصر کی نماز کی ادائیگی کا انتہائی قلیل وقت باقی رہ جاتا ہے۔ اور پھر برق رفتاری سے یہ نمازیں پڑھنے کے بعد افطار کے سامنے آ بیٹھتے ہیں۔

آخر یہ کس قسم کا روزہ ہے؟

انسان رات بھر صرف اس لئے نہ سوئے کہ دن میں روزہ رکھ کر سوتا رہے، تاکہ روزے کی سختی اور مشقت محسوس نہ کرے۔

کیا یہ روزے کو معمولی سمجھنا نہیں؟

میرے خیال میں تو یہ روزے کو گالی دینے کے مترادف ہے، یعنی یہ تو زبانِ حال سے یہ کہنا ہے کہ اے روزے! میں تجھ سے اس قدر نفرت کرتا ہوں کہ تیرا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا!!

ہم حج کرتے ہیں لیکن حقارت کے ساتھ، روزہ رکھتے ہیں لیکن معمولی بنا کے، نماز پڑھتے ہیں لیکن سبک کر کے، اذان کہتے ہیں لیکن بے حیثیت انداز میں۔

دیکھئے، ہم اذان کو کیسے بے حیثیت کرتے ہیں؟

موذن کا ''صیّت''، یعنی خوش آواز ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح جیسے قرآنِ مجید کی قرائت کے لئے تجوید یعنی حروفِ قرآن کی خوبصورتی کے ساتھ ادائیگی، خوبصورت آواز میں قرآن پڑھنا سنت ہے، جو روح پر بھی بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح اذان میں بھی مستحب یہ ہے کہ موذن ''صیّت''، یعنی خوش آواز ہو، اس انداز سے اذان کہے کہ سننے والوں پر وجد طاری کر دے، ان میں خدا کی یاد تازہ کر دے۔

بہت سے افراد خوش آواز ہیں اور اچھے انداز میں اذان کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ جناب آگے بڑھئے، آج آپ اذان کہہ دیجئے تو وہ تیار نہیں

ہوتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ کیا میں اس قدر حقیر شخص ہوں کہ موذن بنوں؟

جناب! موذن ہونے پر تو آپ کو فخر کرنا چاہئے' علی ابن ابی طالبؑ موذن تھے۔ جس دور میں آپؑ خلیفہ تھے' اس دور میں بھی اذان کہا کرتے تھے۔ موذن ہونے کو اپنی توہین سمجھنا' یا موذن ہونے کو کسی خاص طبقے سے وابستہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ میں جو اشراف و عمائدین میں سے ہوں' رجال و شخصیات میں میرا شمار ہوتا ہے' میں اذان دوں؟ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ سب باتیں اذان کی تحقیر کرنا اور اسے حقیر سمجھنا ہیں۔

پس ہمیں کسی بھی صورت میں عبادات کی تحقیر نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں ایک کامل اور جامع مسلمان ہونا چاہئے۔ اسلام کی حیثیت اور قدر و قیمت اسکی جامعیت میں ہے۔ نہ تو ہمارا کردار یہ ہو کہ صرف عبادات سے چپکے رہیں' اسکے سوا تمام چیزوں کو ترک کر دیں اور نہ ہی ہمیں دورِ حاضر میں پیدا ہونے والے ان لوگوں کی مانند ہونا چاہئے جنہیں اسلام کی صرف ا[illegible]ی تعلیمات ہی نظر آتی ہیں اور عبادات کی تحقیر کرنے لگیں۔

انشاءاللہ آئندہ شب جب ہم اسی بحث کے تسلسل میں عرائض پیش کریں گے تو دوسرے تمام اسلامی فرائض کی نظر سے عبادت کی اہمیت پر گفتگو کریں گے۔ اور واضح کریں گے کہ خود عبادت خدا کے تقرب کا ایک رکن اور مرکب (سواری) ہونے کے علاوہ' نیز علاوہ اس کے کہ "وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" (۱) نماز کا مقصد یادِ خدا اور تقربِ الٰہی ہے اور خدا کا تقرب اور اس سے نزدیکی خود اتنا بڑا مقصد ہے کہ اسے اپنے سے بڑھ کر کسی اور مقصد کی ضرورت نہیں (خود یہی اعلیٰ ترین مقصد ہے)۔ ان سب باتوں سے قطع نظر اگر ہم عبادت کی تحقیر کریں تو دوسرے تمام فرائض کی ادائیگی سے بھی رہ جائیں گے۔ عبادت

۱- اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ سورۂ طہٰ ۲۰- آیت ۱۴۔

تمام دوسرے اسلامی احکام وفرامین کی قوۂ مجریہ اوران کے اجرا کی ضامن ہے۔

یہیں پر ہم اپنے عرائض ختم کرتے ہیں۔

خدایا! تجھے تیری درگاہ کے عبادت گزار بندوں کے حق کا واسطہ‘ان صاحبانِ قرآن کے صدقے‘ اپنے پاکیزہ اور مخلص مناجات کرنے والوں کے صدقے‘ ہم سب کو حقیقی عبادت گزاروں میں قرار دے۔

بارِالٰہا! ہمیں دین اسلام کی جامعیت سے آشنا فرما اور ہمیں ایک جامع مسلمان بنادے۔

پروردگار! ہم سب کو خلوصِ نیت کی توفیق کرامت فرما۔

الٰہی! ان محترم شبوں میں ہمارے گناہوں کو بخش دے‘ ہمارے مرحومین کی مغفرت فرما۔

”رَحِمَ اللہُ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ مَعَ الصَّلَوَات“

عبادت و نماز

‹۲›

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللہِ اَکْبَرُ''

''بے شک نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی شے ہے۔'' (سورۂ عنکبوت ۲۹ - آیت ۴۵)

عبادت اور تربیت

اسلام میں عبادات اصل اور بنیاد کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اسکی تربیتی اسکیم کا حصہ بھی ہیں۔ اس بات کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ: عبادات کے اصل اور بنیاد کے حامل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے ہر پہلو سے قطع نظر، انسانی زندگی کے مسائل سے قطع نظر خود عبادت مقاصدِ خلقت میں سے ہے۔

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔''

''اور میں نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (سورۂ ذاریات ۵۱ - آیت ۵۶)

عبادت انسان کے حقیقی کمال اور تقربِ الٰہی کا ایک وسیلہ ہے۔

ایسی چیز جو خود انسان کے کمال کا مظہر، اور خود ہدف اور غایت ہے اسکے لئے

ضروری نہیں کہ وہ کسی دوسری چیز کا مقدمہ اور وسیلہ ہو۔ لیکن اسکے باوجود' عبادات اس اصالت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری چیز کا مقدمہ بھی ہیں۔ یعنی جیسا کہ ہم نے عرض کیا (عبادات) اسلام کی تربیتی اسکیم کا حصہ ہیں۔ یعنی اسلام' جو اخلاقی اور اجتماعی لحاظ سے افراد کی تربیت کرنا چاہتا ہے' وہ اس مقصد کے لئے جو وسائل اختیار کرتا ہے ان میں سے ایک وسیلہ عبادت ہے اور اتفاق سے یہ وسیلہ انسان کے اخلاق اور روح پر ہر دوسرے وسیلے سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسا کس طرح ہے؟ ہم آئندہ سطور میں اس کی وضاحت کریں گے۔

اخلاقی مسائل کا محور ''ایثار و فداکاری'' اور اپنے فائدے اور مفاد کو پس پشت رکھنا ہے۔ جس طرح ''حمیہ'' یعنی پرخوری سے اجتناب' جسمانی سلامتی کا ایک اصول ہے' جو (جسمانی صحت سے متعلق) تمام خوبیوں کی اساس اور بنیاد ہے' اسی طرح اخلاق میں بھی ایک چیز ہے' جو تمام اخلاقی مسائل کی اصلِ اساس ہے' اور وہ ہے اپنی ذات سے گزر جانا' اپنی ذات کو بھلا دینا' ''انانیت'' کی اسیری سے آزاد ہو جانا اور ''میں'' کو ترک کر دینا۔

اجتماعی مسائل میں عدالت کا اصول تمام اصولوں کی ماں ہے۔ عدالت' یعنی دوسرے افراد کے حق کو ملحوظ رکھنا' ان کے حقوق کی رعایت کرنا۔

وہ مشکل جس سے انسانیت اخلاقی مسائل میں بھی دوچار ہے اور اجتماعی مسائل میں بھی اس کا سامنا کر رہی ہے' وہ ان اصولوں کو روبہ عمل لانے کا مسئلہ ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو اخلاق سے ناواقف ہو' یا اس بات کا علم نہ رکھتا ہو کہ عدالت کس درجہ ضروری ہے۔ لیکن مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب ان اصولوں پر عمل کا مرحلہ آتا ہے۔

جس وقت انسان کسی اخلاقی اصول کی پابندی کرنا چاہتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ اسکا مفاد اور منفعت ایک طرف ہے اور اس اخلاقی اصول کی پابندی دوسری طرف۔ وہ دیکھتا ہے کہ راست گوئی ایک طرف ہے اور منفعت اور فائدہ دوسری طرف۔ یا تو وہ جھوٹ

بولے' خیانت کرے اور نفع حاصل کر لے' یا پھر سچ بولے' امانت داری کا ثبوت دے اور اپنے منافع کو پس پشت ڈال دے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ عدل و اخلاق کا دم بھرنے والا انسان بھی عمل کے موقع پر اخلاق اور عدالت کی مخالف راہ اختیار کرتا ہے۔

ایمان کی تاثیر

جو چیز اخلاق اور عدالت کی پشت پناہ اور ضمانت ہے' اور جو اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو انسان با آسانی اخلاق اور عدالت کے راستے پر قدم بڑھا سکتا ہے اور اپنے نفع اور مفاد سے دستبردار ہو سکتا ہے' وہ صرف ''ایمان'' ہے۔

البتہ کونسا ایمان؟ جی ہاں' خود عدالت پر ایمان' خود اخلاق پر ایمان۔

انسان میں عدالت پر ایک مقدس امر کے طور پر' اخلاق پر ایک مقدس امر کے طور پر ایمان کب پیدا ہوتا ہے؟

(یہ ایمان) اس وقت (پیدا ہوتا ہے) جب وہ تقدس کی اصل و اساس یعنی ''خدا'' پر ایمان رکھتا ہو۔ لہٰذا انسان عملاً اتنا ہی عدالت کا پابند ہوتا ہے جتنا خدا کا معتقد ہوتا ہے' عملاً اتنا ہی اخلاق کا پابند ہوتا ہے جتنا خدا پر ایمان رکھتا ہے۔

ہمارے دور کی مشکل یہی ہے کہ (لوگ) سمجھتے ہیں کہ ''علم'' کافی ہے۔ یعنی با اخلاق اور عادل ہونے کیلئے ہمارا عدالت اور اخلاق سے واقف ہونا اور ان کا علم رکھنا ہی کافی ہے۔ لیکن تجربے نے بتایا ہے کہ اگر علم سے ایمان کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہو' تو یہ عدالت اور اخلاق کے لئے نہ صرف مفید نہیں' بلکہ مضر بھی ہے۔ اور ''سنائی'' کے اس قول کے مصداق ہو جاتا ہے کہ: چو دزد با چراغ آید گزیدہ تر برد کالا (جب چور چراغ کے ہمراہ آتا ہے تو اچھی طرح چن چن کے مال لے جاتا ہے)

لیکن اگر ایمان پیدا ہو جائے' تو اخلاق اور عدالت میں استحکام آ جاتا ہے۔ مذہبی

ایمان کے بغیر اخلاق اور عدالت ایسے ہی ہے جیسے بغیر ضمانت کے کرنسی نوٹوں کا جاری کر دینا۔ جب مذہبی ایمان آ جاتا ہے تو اخلاق اور عدالت بھی آ جاتے ہیں۔

یہیں پہنچ کر ہمیں نظر آتا ہے کہ اسلام نے خدا کی پرستش اور عبادت کو اخلاق اور عدالت سے جدا ایک علیحدہ مسئلہ قرار نہیں دیا ہے۔ یعنی جس عبادت کا اسلام حکم دیتا ہے اسکی چاشنی اخلاق اور عدالت کو قرار دیتا ہے۔ یا یہ کہیں کہ جس عدالت اور اخلاق کو تجویز کرتا ہے، اسکی چاشنی عبادت کو قرار دیتا ہے کیونکہ اسکے بغیر یہ ممکن نہیں۔

ایک مثال عرض کرتا ہوں: آپ کو کہاں، اور دنیا میں پائے جانے والے مکاتیب و ادیان میں سے کس مکتب اور دین میں یہ بات نظر آتی ہے کہ ایک مجرم خود اپنے قدموں سے چل کر آئے اور اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کرے؟ مجرم تو ہمیشہ سزا سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ واحد قدرت جو مجرم کو خود اپنے قدموں پر چلا کے اور اپنے ارادے اور اختیار سے سزا کی طرف لاتی ہے وہ ''ایمان'' کی طاقت ہے، اسکے سوا کوئی اور چیز ایسا نہیں کر سکتی۔

جب ہم اسلام کے ابتدائی دور پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایسی بکثرت مثالیں نظر آتی ہیں۔ البتہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں، تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس ابتدائی دور کے سوا کسی اور دور میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ نہیں، صدرِ اسلام کے علاوہ دوسرے ادوار میں بھی، لوگوں میں پائے جانے والے ایمان کے تناسب سے ایسی مثالیں موجود ہیں۔

اسلام نے مجرم کے لئے سزاؤں کا تعین کیا ہے۔ مثلاً شراب نوشی کے مرتکب فرد، زنا کار اور چور کے لئے سزائیں معین کی ہیں۔ دوسری طرف اسلام میں ایک اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ اَلْحُدُوْدُ تَدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ یعنی حدود معمولی شبہے پر دفع ہو جاتے ہیں۔ اسلام قاضی اور حاکم کو اس بات کا پابند نہیں کرتا کہ وہ مجرم کو تلاش کرنے کے لئے جاسوسی

کریں، تجسس کریں۔ بلکہ مجرم کے دل میں ایک طاقت ڈالتا ہے جس کے اثر سے وہ خود اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کرتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں، امیر المومنینؑ کے دور میں کثرت کے ساتھ ایسا ہوا کرتا تھا کہ لوگ خود پیغمبر یا امام کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہؐ (یا امیر المومنینؑ) ہم فلاں جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمیں سزا دیجئے۔ ہم آلودہ ہیں، ہمیں پاک کر دیجئے۔

ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے زنا کیا ہے، مجھے سزا دیجئے۔ (کیونکہ اس قسم کے مسائل میں ایسے شخص کے لئے چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے، ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں، لہٰذا) پیغمبرؐ نے فرمایا: لَعَلَّکَ قَبَّلْتَ، شاید تم نے اس عورت کا بوسہ لیا ہوگا اور کہہ رہے ہو کہ میں نے زنا کیا ہے (یعنی آنحضرتؐ اسکے منہ میں الفاظ رکھ رہے ہیں)۔ اگر وہ کہے کہ ہاں میں نے بوسہ لیا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ بوس و کنار بھی زنا کی مانند ہے اور معاملہ صرف یہیں پر ختم ہو گیا ہوگا۔ اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! میں نے زنا کیا ہے۔ فرمایا: لَعَلَّکَ غَمَزْتَ، شاید تو نے برائی کا صرف ارادہ کیا ہوگا، یا اسکے جسم کو ٹٹولا ہوگا۔ (شاید وہ کہے کہ ہاں، ایسا ہی تھا، اس سے زیادہ میں نے کچھ نہیں کیا تھا)۔ اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: شاید تو زنا کے قریب قریب پہنچ گیا ہو اور درحقیقت زنا واقع نہ ہوا ہو؟ اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! میں آلودہ ہوا ہوں، میں ناپاک ہو گیا ہوں۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپؐ مجھ پر حد جاری فرمائیں اور اسی دنیا میں مجھے سزا دیں، میں نہیں چاہتا کہ میرا یہ جرم دوسری دنیا میں میرے ساتھ جائے۔

یہ حدیث جسے ہم اب پیش کر رہے ہیں ''کافی'' میں ہے (فروع کافی - ج ۷ - ص ۱۶۵)

ایک عورت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: اے امیر المومنینؑ! میں

نے زنائے محصنہ کا ارتکاب کیا ہے' میں شادی شدہ ہوں' شوہر کی غیر موجودگی میں زنا کی مرتکب ہوئی ہوں اور اسکے نتیجے میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ ''طَهِّرْنی'' مجھے پاک کر دیجئے' میں آلودہ ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں' چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے(۱) پھر یہ کہ اگر ایک شادی شدہ عورت زنا کی مرتکب ہوتو اسے ''رجم'' یعنی سنگسار کیا جائے گا۔ میں اگر تمہیں سنگسار کرنے کا حکم دوں گا تو اس بچے کا کیا بنے گا جو تمہارے شکم میں ہے؟ بچے کو تو ہم سنگسار نہیں کر سکتے۔ تم جاؤ' بچے کی پیدائش کے بعد آنا' ہم اس بچے کی وجہ سے تمہیں سنگسار نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر وہ عورت چلی گئی۔

چند ماہ بعد دیکھتے ہیں کہ وہی عورت چلی آ رہی ہے' ایک بچہ بھی اس کی گود میں ہے۔ کہتی ہے: یا امیر المومنینؑ طهرنی اے امیر المومنینؑ! مجھے پاک کر دیجئے۔ بولی' میرا عذر یہ بچہ تھا' اب یہ دنیا میں آ چکا ہے (یہ دوسرا اقرار تھا)۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: اب اس موقع پر اگر ہم تجھے سنگسار کر دیں تو اس بچے کا کیا قصور ہے؟ ابھی اسے ماں کی ضرورت ہے' اسے ماں کا دودھ چاہئے' یہ ماں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا طالب ہے۔ فی الحال جاؤ' ابھی اس بچے کو تمہاری ضرورت ہے۔ وہ عورت دل شکستہ اور رنجیدہ حالت لئے لوٹ گئی۔

ایک دو سال بعد وہ عورت دوبارہ آئی' بچہ بھی اسکے ساتھ تھا اور آ کے کہنے لگی: یا امیر المومنینؑ! طهرنی ''اب میرا بچہ دودھ نہیں پیتا' اسے دودھ پلانے والی کی ضرورت نہیں رہی' بڑا ہو گیا ہے۔ اب مجھے پاک کر دیجئے۔ فرمایا: نہیں' ابھی اس بچے کو ماں کی ضرورت ہے۔ ابھی جاؤ۔ یہ سن کر اس عورت نے بچے کا ہاتھ پکڑا' اب وہ روتی

---

(۱) اسلام میں کسی صورت حتیٰ قاضی تک کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ تجسس کرے یا بہانے سے اقرار لے بلکہ جب کوئی انسان اقرار کرتا ہے تو قاضی ایک بہانے کے ذریعے اسکے اقرار کو مسترد کرتا ہے۔

جاتی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی کہ: خدایا! یہ تیسری مرتبہ ہے کہ میں گناہ کی اس آلودگی سے پاک ہونے کی غرض سے تیرے (مقرر کردہ) امام کی خدمت میں آئی ہوں، خلیفہ مسلمین کے پاس آئی ہوں اور وہ ہیں کہ ہر مرتبہ ایک بہانہ کر کے مجھے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ بارالہا! میں اس گندگی سے چھٹکارا چاہتی ہوں، میں آئی ہوں کہ وہ مجھے سنگسار کریں اور میں پاک ہو جاؤں۔ وہ یہ کہتی ہوئی جا رہی تھی کہ اتفاقاً اس پر عمرو بن حریث کی نگاہ پڑ گئی، یہ ایک منافق انسان تھا۔ اس نے عورت سے پوچھا: کیا ہوا؟ کیا معاملہ ہے؟ عورت نے پورا قصہ کہہ سنایا۔ عمرو بن حریث نے کہا: آؤ میرے ساتھ، میں تمہارا مسئلہ حل کرتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ بچہ میرے حوالے کر دو، میں اس کی کفالت قبول کرتا ہوں۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ علیؑ اس عورت سے چوتھی مرتبہ اقرار لینا نہیں چاہتے۔

امامؑ دیکھتے ہیں کہ وہ عورت اپنے بچے اور عمرو بن حریث کے ساتھ واپس چلی آ رہی ہے۔ آپؑ کے نزدیک آتی ہے اور کہتی ہے: یا امیر المومنینؑ! طھرنی (اے امیر المومنینؑ! مجھے پاک کر دیجئے)، میں نے زنا کیا ہے، بچے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے، اس شخص نے اسے پالنے پوسنے کی ذمے داری لے لی ہے، اب آپ مجھے پاک کر دیجئے۔۔۔

کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کو معاملے کا یہاں تک پہنچنا بہت ناگوار گزرا۔

یہ ایمان اور مذہب کی طاقت ہے جو انسان کے ضمیر کی گہرائیوں میں اثر انداز ہو کر اسے عدالت اور اخلاق کے سامنے جھکا دیتی ہے۔ عبادت اس لئے ہے تاکہ انسان کی ایمانی حیات کی تجدید ہو، اسکا ایمان تازہ ہو، اس میں طراوت اور نشاط پیدا ہو، وہ قوت اور طاقت حاصل کرے۔

جتنا انسان کا ایمان زیادہ ہوگا، اتنا ہی وہ خدا کو زیادہ یاد رکھے گا، اور جتنا انسان کو خدا یاد رہے گا اتنا ہی وہ گناہ کا کم مرتکب ہوگا۔ گناہ اور نافرمانی کرنے یا نہ کرنے کا دارومدار علم پر نہیں ہے، اسکا دارومدار غفلت اور یاد پر ہے۔ جتنا انسان غافل ہوگا، یعنی اس نے

جتنا خدا کو فراموش کر دیا ہو گا' اتنا ہی زیادہ وہ گناہ کا ارتکاب کرے گا اور جتنا زیادہ وہ خدا کو یاد رکھے گا' اتنی ہی اسکی نافرمانیاں کم ہوں گی۔

عصمت اور ایمان

آپ نے سنا ہوا ہے کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ معصوم ہوتے ہیں۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ کے معصوم ہونے کے کیا معنی ہیں؟ تو آپ اسکا جواب دیں گے کہ وہ کبھی کسی بھی صورت میں گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔

ٹھیک ہے۔ (عصمت کے) معنی یہی ہیں۔لیکن اگر اسکے بعد آپ سے سوال کیا جائے کہ (یہ لوگ) کیوں گناہ نہیں کرتے؟ تو ممکن ہے آپ اس سوال کا دو طرح سے جواب دیں۔ایک یہ کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ اس وجہ سے معصوم ہیں اور گناہ نہیں کرتے کہ خداوند عالم ان کے ارتکابِ گناہ میں رکاوٹ ہے' اس نے انہیں بالجبر گناہ اور معصیت سے روکا ہوا ہے۔یعنی جب کبھی وہ گناہ کرنا چاہتے ہیں' خدا رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے اور ان کا راستہ روک دیتا ہے۔

اگر عصمت کے معنی یہ ہیں تو یہ (انبیاءؑ اور ائمہؑ کے لئے) کوئی فضیلت اور کمال نہیں۔اگر میرے اور آپ کے ساتھ بھی اسی طرح ہونے لگے کہ جوں ہی ہم گناہ کرنا چاہیں' خدا کی نافرمانی کرنا چاہیں تو ایک خارجی طاقت ہمارے راستے میں حائل ہو جائے' ہمارے مانع و مزاحم ہو جائے اور ہمارے اور گناہ کے درمیان رکاوٹ بن جائے۔ایسی صورت میں بحالتِ مجبوری ہم بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے۔

پس' ایسی صورت میں انہیں (انبیاؑ اور ائمہؑ کو) ہم پر کیا فضیلت ہوئی؟ اس صورت میں ان کے اور ہمارے درمیان صرف یہ فرق ہوگا کہ وہ خدا کے ایسے بندے ہیں جنہیں اس نے خاص امتیاز دیا ہوا ہے' جب وہ خدا کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں تو خدا ان کے

راستے میں حائل ہو جاتا ہے لیکن (ہمیں یہ امتیاز حاصل نہیں) جب ہم نافرمانی کا ارادہ کرتے ہیں، تو خدا ہمارا راستہ نہیں روکتا۔

نہیں، یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ان (انبیاءؑ اور ائمہؑ) کے معصوم ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ گناہ کرنا چاہتے اور خدا ان کے مانع ہو جاتا ہے!

پس پھر حقیقت کیا ہے؟

عصمت کے معنی، ایمان کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہونا ہے۔ جتنا ایمان زیادہ ہو گا اتنا ہی انسان کو خدا زیادہ یاد رہے گا۔ مثلاً ایک بے ایمان انسان ایک روز گزارتا ہے ایک ہفتہ گزارتا ہے، ایک مہینہ گزارتا ہے، جو چیز اسکے ذہن میں پھٹکتی تک نہیں، وہ خدا ہے۔ ایسا شخص یکسر غافل ہے۔

بعض لوگوں کو کبھی کبھی خدا یاد آتا ہے۔ اس موقع پر انہیں خیال ہوتا ہے کہ ہمارا ایک خدا ہے، خدا ہمارے سروں پر ہے اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لیکن خدا اسی ایک لمحے کے لئے ان کے ذہن میں آتا ہے، اسکے بعد وہ اسے ایسے بھلا بیٹھتے ہیں جیسے سرے سے کسی خدا کا وجود ہی نہیں۔

لیکن کچھ افراد جن کا ایمان (مذکورہ بالا لوگوں سے کچھ) زیادہ ہوتا ہے، کبھی غفلت میں ہوتے ہیں، کبھی بیدار۔ جب غافل ہوتے ہیں تو ان سے گناہ صادر ہوتے ہیں لیکن جب بیدار ہوتے ہیں تو اس بیداری کے نتیجے میں ان سے گناہ صادر نہیں ہوتے۔ کیونکہ جب وہ خدا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو ان سے گناہ کے صدور کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ لا یزنی الزانی وھو مومن (کوئی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرسکتا۔ وسائل الشیعہ۔ ج ۱۔ ص ۲۴ - ح ۱۴)

جب انسان کی روح میں سچا ایمان موجود ہو اور وہ بیدار ہو تو گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اب اگر انسان کا ایمان کمال کی حدوں کو چھولے، یہاں تک کہ وہ خدا کو ہمیشہ حاضر و

ناظر سمجھنے لگے۔ یعنی خدا ہمیشہ اس کے دل میں موجود ہو' تو اس صورت میں وہ کبھی بھی غافل نہیں ہوتا' ہر عمل کی انجام دہی کے دوران خدا کی یاد اسکے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ''

''وہ مرد جنہیں کاروبار یا خرید و فروخت ذکرِ خدا سے غافل نہیں کرسکتی۔''

(سورۂ نور ۲۴ - آیت ۳۷)

(قرآن) یہ نہیں کہتا کہ وہ لوگ جو تجارت نہیں کرتے۔ اسلام لوگوں کو تجارت اور کاروبار سے روکنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ نہیں کہتا کہ تجارت نہ کرو۔ اسکے برعکس حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ محنت کرو' کماؤ' کاروبار کرو' تجارت کرو۔ وہ لوگ جو خرید و فروخت کرتے ہیں' تجارت کرتے ہیں' کماتے ہیں' ملازمت کرتے ہیں لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ایک لمحے کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتے۔ دکان کے کاؤنٹر پر کھڑے ہوتے ہیں' چیزیں فروخت کرتے ہیں' تولتے ہیں' بولتے ہیں' پیسے لیتے ہیں اور مال حوالے کرتے ہیں لیکن جس چیز کو وہ ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کرتے وہ ''خدا'' ہے۔ خدا ہمیشہ ان کے ذہن میں رہتا ہے۔

اگر کوئی ہمیشہ بیدار رہو' ہمیشہ خدا اسکے ذہن میں ہو' تو قدرتی بات ہے کہ وہ کبھی بھی گناہ کا مرتکب نہیں ہوگا۔ البتہ ہم ایسی دائمی بیداری معصومینؑ کے سوا کسی اور میں نہیں پاتے۔ (چنانچہ) معصومینؑ یعنی وہ لوگ جو کسی بھی لمحے خدا کو نہیں بھولتے۔

آپ کی خدمت میں ایک مثال عرض کرتا ہوں: کیا کبھی آپ کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ (آپ نے جانتے بوجھتے) اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا ہو' یا آگ میں کود پڑے ہوں؟ اگر آپ کو معلوم نہ ہو' بے خبری میں ایسا ہوگیا ہو تو دوسری بات ہے۔ پوری زندگی میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ہم میں سے کوئی ارادتاً خود کو آگ میں جھونک دے۔ البتہ

اگر ہم خودکشی کرنا چاہیں تو (بات دوسری ہے)۔

ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ ہم بخوبی یہ بات جانتے ہیں کہ آگ کا کام جلانا ہے' یہ جانتے ہیں کہ اگر آگ کے بھڑکتے شعلوں میں گر جائیں تو یقیناً زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھیں گے۔ ہم قطعی اور یقینی طور پر اس بات کا علم رکھتے ہیں اور جوں ہی ہمیں آگ نظر آتی ہے یہ علم ہمارے ذہن میں حاضر ہو جاتا ہے اور ہم ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔ لہٰذا ہم اپنے آپ کو آگ میں جھونکنے سے معصوم ہیں۔ یعنی ہمیں حاصل یہ علم و یقین اور ایمان کہ آگ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے' ہمیں آگ میں کود پڑنے سے باز رکھتے ہیں۔

جتنا ہم آگ کے جلانے کی صلاحیت پر ایمان رکھتے ہیں' اتنا ہی اولیائے خدا' گناہ کے جلانے کی صلاحیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ معصوم ہوتے ہیں (کسی گناہ کے قریب نہیں جاتے)۔

اب جبکہ معصوم کے معنی معلوم ہو چکے ہیں' تو اس جملے کا مقصد بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ ''عبادت اسلام کی تربیتی اسکیم کا حصہ ہے''۔ عبادت اس لئے ہے کہ انسان کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد خدا کی یاد دلائی جائے اور انسان کو جتنا خدا یاد ہو گا اتنا ہی زیادہ وہ اخلاق' عدالت اور حقوق کا پابند ہو گا۔ یہ ایک بالکل واضح (clear) بات ہے۔

اسلام' دنیا اور آخرت کا جامع

اب اپنی پوری توجہ اس موضوع پر مرکوز فرمایئے کہ اسلام میں دنیا اور آخرت کس طرح باہم ملے ہوئے ہیں۔ اسلام مسیحیت کی طرح نہیں ہے۔ مسیحیت میں دنیا اور آخرت کا حساب جدا جدا ہے۔ مسیحیت کہتی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں علیحدہ علیحدہ عالم ہیں۔ (ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے) یا یہ' یا وہ۔ لیکن اسلام میں ایسا نہیں

ہے۔ اسلام آخرت کو دنیا کے ساتھ اور دنیا کو آخرت کے ہمراہ قرار دیتا ہے۔ مثلاً نماز ہی کو لے لیجئے' اسکا خالص اخروی پہلو یہ ہے کہ انسان خدا کو یاد کرے' خوفِ خدا رکھے۔

حضورِ قلب اور خدا کی جانب متوجہ ہونے کیلئے اس قدر ادب آداب کی ضرورت نہیں کہ انسان پہلے جاکے وضو کرے' اپنے آپ کو دھوئے' صاف کرے۔ کیا خدا سے ملاقات کے لئے وضو اور پاکیزگی کوئی تاثیر رکھتی ہے؟ خدا کے حضور جانے کے لحاظ سے اس بات کی کوئی تاثیر نہیں کہ انسان کا منہ دھلا ہوا ہے یا نہیں' لیکن خداوند عالم فرماتا ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ' فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ (۱) پھر اسکے بعد نماز پڑھو۔

دیکھا آپ نے (اسلام نے) صفائی کو عبادت کے ساتھ ملا دیا ہے: وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا (۲) اور یہاں عبادت کے ساتھ پاکیزگی کا ذکر ہے۔

اگر آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو آپ کی عبادت کی جگہ مباح ہونی چاہئے' غصب شدہ نہ ہو۔ وہ جانماز جس پر کھڑے ہو کر آپ نماز پڑھتے ہیں' وہ لباس جسے پہن کر آپ نماز ادا کرتے ہیں' اسے حلال اور مباح ہونا چاہئے۔ اگر آپ کے لباس کا ایک دھاگا بھی غصبی ہوا' تو آپ کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس مقام پر عبادت حقوق کا دامن تھام لیتی ہے۔ خدا کی عبادت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ کہا جا رہا ہے کہ (لوگوں کے) حقوق کا بھی احترام کیجئے۔ یعنی اسلام کہتا ہے کہ میں ایسی عبادت قبول ہی نہیں کرتا جس میں دوسروں کے حقوق کا پاس و لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔

۱- ایمان والو! جب بھی نماز کے لئے اٹھو تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھوؤ۔ سورۂ مائدہ- آیت ۶۔

۲- اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرو۔ سورۂ مائدہ- آیت ۶۔

لہذا جب نماز پڑھنے والا کوئی شخص' نماز پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے یہ دیکھتا ہے کہ یہ گھر جس میں' میں ہوں' اسے میں نے کسی سے بالجبر تو نہیں ہتھیایا؟ اگر جبراً قابض ہوں' تو میری نماز باطل ہوگی۔ پس اگر وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے تو مجبور ہے کہ پہلے اپنے لئے ایک ایسے گھر کا بندوبست کرے جو اسکے لئے حلال ہو۔ یعنی اسکے اصل مالک سے خریدا ہوا ہو' یا وہ (مالک) اسکے وہاں رہنے سے راضی ہو۔ وہ جس فرش پر کھڑا ہے' اس کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ اسکا لباس بھی ایسا ہی ہونا چاہئے' حتیٰ اگر ناداروں کے حقوق' خمس یا زکات (وغیرہ) بھی اس کے ذمے ہوں' تو انہیں بھی ادا کرے۔ اگر اس نے انہیں ادا نہ کیا ہوگا' تو بھی اسکی نماز باطل ہوگی۔

اسی طرح (اسلام) ہم سے کہتا ہے اگر نماز پڑھنا چاہتے ہو تو تم سب کو کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا ہوگا۔ کعبہ کہاں ہے؟ وہ اولین معبد جو دنیا میں خدا کی پرستش کے لئے بنایا گیا' کہاں واقع ہے؟: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا (بے شک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے وہ مکہ میں ہے' مبارک ہے۔ سورۂ آل عمران ۳ - آیت ۹۶)۔ تم سب پر اس اولین معبد اور مسجد کی سمت رخ کر کے کھڑا ہونا لازم ہے جسے خدا کے عظیم پیغمبر ابراہیمؑ اور ان کے فرزند اسماعیلؑ نے تعمیر کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہم کعبہ کی طرف رخ کر کے کیوں کھڑے ہوں؟ کیا وہاں خدا ہے؟ کیا خدا (معاذ اللہ) خانۂ کعبہ کے اندر ہے؟ قرآن مجید جو یہ کہتا ہے کہ: فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (۱)۔ تم جہاں کہیں رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ' وہیں خدا ہے' تم چاہے دائیں طرف رخ کرو یا بائیں طرف' خدا کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو۔ اوپر رخ کرو یا

۱- لہذا تم جس جگہ بھی قبلے کا رخ کرلو گے سمجھو وہیں خدا موجود ہے۔ سورۂ بقرہ ۲ - آیت ۱۱۵۔

نیچے' خدا کی طرف تمہارا رخ ہوگا۔ اور پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: اگر تمہیں رسی سے باندھ کر نیچے زمین کے ساتویں طبقے تک بھی لے جائیں تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے۔ مشرق کی طرف جاؤ' تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے' مغرب کی طرف جاؤ' تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے' یہاں جو بیٹھے ہوئے ہو' خدا کے ساتھ ہو۔ خدا کی کوئی سمت نہیں۔

(اگر ایسا ہے تو) پھر ہم کعبہ کی طرف رخ کر کے کیوں کھڑے ہوں؟

(اسلام) کہتا ہے کہ آپ عبادت کی انجام دہی کے دوران ایک اجتماعی تعلیم و تربیت بھی حاصل کیجئے۔ آپ سب کو ایک نقطۂ واحد کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا چاہئے' اگر ایسا نہ ہوتو ایک شخص ایک طرف رخ کئے کھڑا ہوگا اور دوسرا دوسری طرف اور یہ تفرقے اور انتشار کی علامت ہے۔ لیکن اگر تمام لوگ ایک نقطے کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوں' تو اسکا مطلب ہے کہ سب یکسو ہیں۔

تمام مسلمانوں کی ایک ہی سمت اور جہت ہونی چاہئے' اس مقصد کے لئے کس نقطے کا انتخاب کریں جس میں شرک کی بو بھی نہ پائی جاتی ہو؟ ۔۔۔ (اسلام) کہتا ہے کہ اس نقطے کا انتخاب کرو جس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا یہ کہلائے کہ تم نے عبادت کا احترام ملحوظ رکھا ہے' اس سمت رخ کر کے کھڑے ہو جو اولین معبد ہے' معبد کا احترام عبادت کا احترام ہے۔

پھر (اسلام) کہتا ہے کہ اگر عبادت کرنا چاہتے ہو تو اسکا ایک متعین اور خاص وقت ہے' اس میں سیکنڈوں کا بھی خیال رکھا جانا چاہئے۔ صبح کی نماز کا وقت طلوعِ صبح کے آغاز سے لے کر طلوعِ آفتاب کی ابتداء تک ہے۔ اگر تم نے جانتے بوجھتے صبح طلوع ہونے سے ایک سیکنڈ پہلے یا سورج طلوع ہونے کے بعد نماز شروع کی تو تمہاری نماز باطل ہوگی' درست نہ ہوگی۔ نماز کو ان دو (اوقات) کے درمیان ہونا چاہئے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کہیں کہ مجھے نیند آ رہی ہے' رات بھر کا جاگا ہوا ہوں' گو ابھی صبح طلوع ہونے میں ایک

گھنٹہ باقی ہے' یوں بھی خدا کو نہ تو نیند آتی ہے اور نہ بیداری کا اس سے کوئی تعلق ہے' کیا خدا طلوعین کے درمیان (معاذ اللہ) اپنا مخصوص لباس پہن کر نماز قبول کرنے کے لئے تیار ہو کے بیٹھتا ہے؟۔۔۔ خدا کے لئے تو تمام ساعات اور تمام لمحات مساوی ہیں: لاَ تَاْخُذُہ' سِنَۃٌ وَّلاَ نَوْمٌ (۱)۔لہٰذا کیونکہ میں نے رات جاگ کر گزاری ہے' بہت زوروں کی نیند آرہی ہے' کیوں نہ آدھے گھنٹے پہلے نماز پڑھ لوں۔

نہیں جناب' وقت کی پابندی ضروری ہے۔ اپنے مقررہ وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

کیا خدا کی نظر میں اس وقت یا اس وقت کے درمیان کوئی فرق ہے؟ نہیں'۔۔ ہاں' آپ کے لئے فرق ہے۔نماز کے ذریعے آپ کی تربیت مقصود ہے' اگر آپ رات کو دو بجے تک بھی بیدار رہے ہیں' تب بھی آپ کو طلوعین کے درمیان اٹھ کر نماز ادا کرنی چاہئے۔ یہی حال ظہر اور عصر کی نمازوں کا ہے' (یہ بھی) قبل از وقت قبول نہیں' وقت گزرنے کے بعد بھی قبول نہیں۔مغرب اور عشا کی نمازوں میں بھی ایسا ہی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز تو عبادت ہے' خدا پرستی ہے' بھلا خدا پرستی کو ان معاملات سے کیا سروکار؟

نہیں جناب' اسلام میں خدا پرستی ان مسائل سے مربوط ہے۔اسلام عبادت و پرستش اور دوسرے مسائل کے درمیان تفریق کا قائل نہیں۔

(ممکن ہے کوئی کہے کہ) میں نماز پڑھتا ہوں' لیکن نماز کے دوران گریہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ میں مصیبت میں مبتلا ہوں' پریشانی کا شکار ہوں' چاہتا ہوں کہ نماز کے درمیان کچھ آنسو بہا لوں۔ یا کوئی بات میرے ذہن میں آجائے' کوئی چیز دیکھوں اور ہنس پڑوں

۱۔اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔سورۂ بقرہ ۲۔آیت ۲۵۵۔

(اگر ایسا کروں) تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

نہیں جناب' ایسا نہیں ہے۔ نماز احساسات کو ضبط کرنے کا مظہر ہے' حالت نماز میں جب آپ ایک نقطے کی سمت متوجہ ہوں تو اسی نقطے کی سمت متوجہ رہنا چاہئے۔ نہ دائیں' نہ بائیں' نہ پیچھے' حتیٰ اپنا سر ادھر ادھر گھمانے کا بھی حق نہیں' ایک چوکس (Alert) حالت میں کھڑے ہونا چاہئے۔

کیا نماز میں ہنسا اور رویا جا سکتا ہے؟

نماز کے دوران کھانے پینے کا حکم کیا ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی چیز عبادت کی روح سے متصادم نہیں۔ خدا کو یاد کر رہے ہیں ساتھ ساتھ ہنسی آ رہی ہے' ہنسنا چاہتے ہیں۔ رونا آ رہا ہے' رونا چاہتے ہیں۔ یا دورانِ نماز کوئی چیز کھانا چاہتے ہیں۔

نہیں جناب' آپ کو اس تھوڑی سی مدت کے لئے مشق کرنی چاہئے تاکہ اس دوران آپ کو اپنے پیٹ پر کنٹرول ہو' اپنی ہنسی پر کنٹرول ہو' اپنے رونے پر کنٹرول ہو' اپنی بے نظمی پر کنٹرول ہو۔ یہ اجتماعی مسائل میں سے ہے' لیکن عبادت ہے۔ کیونکہ اسلام میں عبادت' تربیتی اسکیم کا ایک حصہ ہے' اس اصول کی رعایت کئے بغیر مقبول نہیں۔

کیا سکون کے ساتھ جم کے کھڑے ہونا چاہئے؟

بعض کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے!!! میں نماز کی حالت میں حمد اور سورے کی تلاوت کرتے ہوئے اسکی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتا ہوں لیکن اگر اپنے جسم کو حرکت دوں' ایک پیر اٹھا کر دوسرے پیر پر رکھ لوں' اپنے آپ کو دائیں بائیں جنبش دوں' تو کہا جاتا ہے کہ تمہاری یہ نماز باطل ہے۔ رکوع یا سجود میں بھی اگر اپنے آپ کو ہلاؤں جلاؤں' اپنے پیروں یا ہاتھوں کو حرکت دوں' تو کہتے ہیں کہ تمہاری یہ نماز باطل ہے۔ (کہتے ہیں) آرام اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو۔ یعنی جب کھڑے ہو اور اللہ اکبر کہنا چاہو تو جب تک تمہارا بدن

ساکت نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ اکبر نہ کہو۔ اگر ہلتے ہوئے اللہ اکبر کہا تو نماز باطل ہو گی۔ پہلے سکون سے کھڑے ہو، پھر اللہ اکبر کہو۔ اسکے بعد اگر ہلنا ہو تو ہلو لیکن ہلتے وقت کوئی حرف زبان سے ادا نہ کرو، کوئی ذکر نہ کرو۔ اگر بالفرض تمہارے پاؤں میں درد ہو، یا تمہارے کسی اور عضو میں تکلیف ہو تو خاموش ہو جاؤ، پرسکون ہو جاؤ جب ٹھہر جاؤ تو پھر ذکر شروع کرو **بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین** کہو۔ اگر نماز کے درمیان تمہارے پاؤں میں تکلیف ہو، تو ٹھہر جاؤ، خاموش ہو جاؤ، اسکے بعد دوبارہ وہیں سے شروع کرو۔ (نماز) سکون اور اطمینان کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اس دوران تمہاری روح بھی پرسکون ہو اور تمہارا جسم بھی۔

آتے ہیں نماز کے دوسرے حصوں کی طرف۔

نماز خدا کی جانب توجہ کا نام ہے۔ غیر خدا کی جانب توجہ شرک ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم سے کہا گیا ہے کہ نماز میں کہو: اَلسَّلامُ عَلَیْنا وَعَلیٰ عِبادِ اللہِ الصَّالِحینَ، (ہم پر اور تمام صالح بندگانِ خدا پر ہمارا سلام ہو)۔ اس طرح ہم خدا کے تمام صالح اور نیک بندوں سے یکجہتی، موافقت اور صلح و صفا کا اعلان کرتے ہیں۔ آج کی اصطلاح میں تمام اچھے لوگوں کے ساتھ مل جل کے باہمی محبت اور سلامتی کے ساتھ رہنے کا اعلان کرتے ہیں۔ حالتِ نماز میں کہتے ہیں کہ ہم کسی صالح بندۂ خدا سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر ہم کسی صالح اور نیک انسان سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہوں تو (اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم) خود صالح اور نیک نہیں۔

کچھ لوگوں کے خیال میں: اَلسَّلامُ عَلَیْنا وَعَلیٰ عِبادِ اللہِ الصَّالِحین کہنا بھی عبادت کی روح، (جو بارگاہِ الٰہی میں حضورِ قلب کا اظہار ہے) سے کوئی ربط نہیں رکھتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عبادت کی روح اور جسم تربیتی مسائل سے گندھے ہوئے ہیں۔

نماز پروردگار سے قرب کی سواری ہونے کے ساتھ ساتھ، تربیت کا مکتب و مدرسہ

بھی ہے۔ معنوی اور روحانی مسائل کے لحاظ سے انسان جتنا اپنے آپ کو اور دوسروں کو فراموش کرے بہتر ہے لیکن اجتماعی نکتۂ نظر سے دوسروں کو فراموش نہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔

سورۂ حمد (۱) جو نماز کا لازمی جز ہے' اس میں ہم کہتے ہیں: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ یہ نہیں کہتے کہ: ایاک اعبدو ایاک استعین ۔ ایاک اعبد' اصطلاحاً متکلم واحد ہے' اس کے معنی ہیں کہ خدایا! میں صرف تیری پرستش کرتا ہوں' صرف تجھ سے مدد لیتا ہوں' لیکن ہم یہ نہیں کہتے' بلکہ کہتے ہیں: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن یعنی خدایا ہم صرف تیری پرستش کرتے ہیں' صرف تجھ ہی سے مدد و استعانت طلب کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں: خدایا! میں تنہا نہیں ہوں' میں دوسرے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہوں۔

اس طرح انسان عبادت کی حالت میں اسلامی معاشرے سے اپنی وابستگی اور پیوستگی کا اظہار کرتا ہے۔ کہتا ہے: خدایا میں ایک فرد نہیں ہوں' ایک نہیں ہوں' میں عضو ہوں' کل کا ایک جز اور ایک بدن کا حصہ۔ ''ہم'' ہوں ''میں'' نہیں ہوں۔ دنیائے اسلام میں ''میں'' نہیں پایا جاتا ''ہم'' پایا جاتا ہے۔

ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں' صرف تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں۔

خدا کی کبریائی

نماز کے دوسرے حصے بھی اسی طرح ہیں' ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک درس ہے' تذکر اور یاددہانی ہے۔

۱۔ ہر نماز میں سورۂ حمد پڑھنا ضروری ہے۔ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز درست نہیں)۔ دوسرے سورے کی جگہ پر کسی بھی سورے کا انتخاب کیا جاسکتا ہے' لیکن سورۂ حمد پڑھنا لازم ہے۔

مثلاً آپ ''اللہ اکبر'' کے لفظ پر غور کیجئے۔

آخر وہ کونسا انسان ہے جو کسی عظیم شے کا سامنا ہونے پر اس سے مرعوب نہ ہو؟ انسان میں خوف پایا جاتا ہے۔۔۔ جب وہ کسی پہاڑ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے یا اسکی چوٹی پر کھڑے ہوکر نیچے نگاہ ڈالتا ہے' تو اس پرخوف طاری ہو جاتا ہے۔ سمندر کی بپھری ہوئی موجیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ جب کسی صاحبِ قدرت و ہیبت ہستی کو دیکھتا ہے' دبدبے اور جاہ وحشم کی مالک کسی ہستی کا سامنا کرتا ہے' یا اُسکی خدمت میں جاتا ہے' تو ممکن ہے اسکے حواس باختہ ہو جائیں' اسکی زبان میں لکنت آجائے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔۔ اس لئے کہ وہ اس کی عظمت و ہیبت سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کے لئے ایک طبیعی بات ہے۔

لیکن اللہ اکبر کہنے والا شخص' ایسا شخص جو اپنے آپ کو خدا کی کبریائی کی تلقین کرتا ہے' اسے کسی چیز یا کسی ہستی کی عظمت مرعوب نہیں کرتی۔ کیوں؟ کیونکہ ''اللہ اکبر'' یعنی ہر چیز سے بڑی بلکہ ہر توصیف سے بڑی ذات' ذاتِ اقدسِ الٰہی ہے' یعنی اس بات کا اظہار کہ میں خدا کو عظیم سمجھتا ہوں' اور جب میں خدا کو عظیم سمجھتا ہوں تو اسکے معنی یہ ہیں کہ میرے سامنے اس کائنات کی تمام اشیا حقیر ہیں۔ اللہ اکبر کا لفظ انسان کو شخصیت عطا کرتا ہے' انسان کی روح کو بزرگی اور بلندی عطا کرتا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: عَظُمَ الْخَالِقَ فِی اَنْفُسِهِمْ فَصَغُرَ ما دُونَهُ فِی اَعیُنِهِم' (خالق ان کی نگاہ میں اس قدر عظیم ہے کہ ساری دنیا ان کی نگاہوں سے گر گئی ہے۔ نہج البلاغہ - خطبہ ۱۹۱)۔ یعنی خدا اہل حق کی روح میں جلوہ افروز ہے لہٰذا ان کی نظر میں خدا کے سوا ہر چیز پست اور معمولی ہے۔

اس مقام پر آپ کے لئے ایک وضاحت عرض ہے:

چھوٹا اور بڑا ہونا ایک نسبی (Relative) امر ہے۔ مثلاً آپ حضرات جو اس

ہال میں تشریف فرما ہیں، اگر یہاں آنے سے پہلے، اس سے ایک چھوٹے ہال میں (مثلاً اس سے ایک تہائی چھوٹے ہال میں) بیٹھے ہوئے تھے، تو یہ ہال آپ کو بہت بڑا محسوس ہو گا، لیکن اگر اسکے برعکس، پہلے آپ ایک ایسے ہال میں بیٹھے ہوں جو اس ہال سے تین گناہ بڑا تھا تو جب وہاں سے یہاں آئیں گے تو آپ کو یہ ہال بہت چھوٹا معلوم دے گا۔

انسان جب کبھی مختلف چیزوں کی چھوٹائی اور بڑائی کا موازنہ کرتا ہے تو ان میں چھوٹی دکھائی دینے والی چیزوں کو چھوٹا اور بڑی نظر آنے والی چیزوں کو بڑا قرار دیتا ہے۔ لہٰذا ایسے افراد جو اپنے پروردگار کی عظمت و بزرگی سے آشنا ہیں اور اسکی عظمت کو محسوس کرتے ہیں، ان کی نظر میں خدا کے سوا ہر چیز حقیر اور چھوٹی ہے، بڑی نہیں ہو سکتی۔ سعدی نے بوستان میں بہت عالی بات کی ہے:

بر عارفان جز خدا ہیچ نیست ره عقل جز پیچ در پیچ نیست

سعدیؒ کہتے ہیں: اہل عرفان، خدا کے سوا کسی چیز کی حیثیت کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ کسی اور چیز کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

''وحدت الوجود'' کے ایک معنی یہی ہیں کہ جب عارف کے سامنے خدا کی عظمت اور بزرگی واضح ہو جاتی تو وہ کسی بھی صورت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسکے سوا کسی اور چیز کا بھی وجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ''وہ'' وجود ہے تو ''اس'' کے سوا جو کچھ ہے وہ عدم ہے۔ سعدی نے بھی وجود کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ بعد میں کہتے ہیں:

توان گفتن این باحقایق شناس ولی خرده گیرند اہل قیاس

حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، لیکن وہ لوگ جو (ان کے خیال میں) اہل قیاس ہیں وہ ان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وحدت الوجود کس شے کا نام ہے؟

کہ پس آسمان و زمین چیستند بنی آدم ودیو ودد کیستند

اگر خدا کے سوا کسی اور چیز کا وجود نہیں، تو پھر زمین کیا ہے؟ آسمان کیا ہے؟ بنی آدم کیا ہے؟ دیو اور دو کیا ہے؟

پسندیده پرسیدی ای هوشمند — جو ابت بگویم درایت پسند
که خورشید و دریا و کوه و فلک — پری و آدمیزادو دیو و ملک
همه هرچه هستنداز آن کمترند — که باهستیش نام هستی برند

کہتے ہیں میں جب یہ کہتا ہوں کہ خدا کے سوا کچھ اور نہیں ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آسمان و زمین، انسان اور فرشتے کسی بھی شے کا وجود نہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں دوسری اشیا کے وجود کا منکر ہو گیا ہوں، نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ اس (خدا) کی عظمت کو جان لینے کے بعد میں اسکے سوا جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں اسے ہستی قرار دینے سے خود کو عاجز پاتا ہوں۔

که جای که دریا ست من چیستم — گرادهست حقا که من نیستم

جب آپ ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں تو اگر اپنی روح اور دل کی گہرائی سے کہیں گے تو خدا کی عظمت آپ کے سامنے مجسم ہو جائے گی۔ اگر آپ کے دل میں خدا کی عظمت و بزرگی پیدا ہو جائے تو پھر آپ کی نظر میں کسی اور کا عظمت و بزرگی کا حامل ہونا محال ہوگا، محال ہے کہ آپ کسی اور سے خوف کھائیں، کسی اور کے سامنے خضوع وخشوع کا اظہار کریں۔

یہی وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ خدا کی بندگی انسان کو آزادی عطا کرتی ہے۔ اگر انسان خدا کی عظمت اور بزرگی کو جان لے، تو اسکا بندہ بن جاتا ہے اور خدا کی بندگی کا لازمہ خدا کے سوا ہر کسی سے آزادی ہے:

نشوی بنده تاگردی حر — نتوان کرد ظرف پر را پر
چند گوئی که بندگی چه بود — بندگی جز شکندگی نبود

خدا کی بندگی غیر خدا کی بندگی سے آزادی کے مترادف ہے۔ کیونکہ خدا کی عظمت اور بزرگی کے ادراک کا لازمہ غیر خدا کی حقارت اور اسکے بے قیمت ہونے کا ادراک ہے۔ اور جب انسان غیر خدا کو' خواہ وہ کوئی بھی ہو' حقیر اور معمولی سمجھنے لگے تو محال ہے کہ جانتے بوجھتے کسی حقیر کی بندگی کرے۔ حقیر کی بندگی کو انسان غلطِ عظیم سمجھتا ہے۔

نماز کے دوسرے اذکار جیسے سبحان اللہ' الحمد للہ' سبحان ربی العظیم و بحمدہ' سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ اور تشہد وغیرہ' ہر ایک میں ایک رمز اور راز پوشیدہ ہے۔

ایک شخص نے حضرت علیؑ سے سوال کیا: ہم (نماز کی ہر رکعت میں) دو مرتبہ سجدہ کیوں کرتے ہیں؟ جس طرح ایک مرتبہ رکوع کرتے ہیں اسی طرح ایک مرتبہ سجدہ کر لیں!!!؟

البتہ آپ جانتے ہیں کہ سجدے میں' رکوع سے زیادہ خضوع و خشوع اور عاجزی وانکساری کا اظہار پایا جاتا ہے۔ کیونکہ سجدے میں انسان اپنے عزیز ترین عضو (انسان کا عزیز ترین عضو سر ہے' جس میں انسان کا مغز ہوتا ہے اور سر میں بھی عزیز ترین نقطہ پیشانی ہے) کو عبودیت اور بندگی کے اظہار کے طور پر پست ترین چیز یعنی خاک پر رکھتا ہے۔ اپنی پیشانی خاک پر رگڑتا ہے اور اس طرح اپنے پروردگار کے سامنے اپنے معمولی اور حقیر ہونے کا اظہار کرتا ہے۔

اس شخص نے کہا: ہم نماز کی ہر رکعت میں دو مرتبہ سجدہ کیوں کرتے ہیں' خاک میں کیا خصوصیت پائی جاتی ہے؟

امیر المومنینؑ نے (اسکے جواب میں) یہ آیت پڑھی: مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى (اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں پلٹا کے لے جائیں گے اور پھر دوبارہ اسی سے نکالیں گے۔ سورۂ طٰہٰ ۲۰ - آیت

۵۵)۔اور پھر فرمایا: پہلی مرتبہ سجدے میں سر رکھ کر جب اوپر اٹھاتے ہو تو اسکا مطلب اس بات کا اظہار ہے کہ: مِنْهَا خَلَقْنَاكُم '(ہم سب خاک سے خلق ہوئے ہیں)' ہمارے اس پورے پیکر کی بنیاد خاک ہے' ہم جو کچھ بھی ہیں وہ اس خاک سے وجود میں آئے ہیں۔ جب دوسری مرتبہ اپنا سر خاک پر رکھتے ہو تو تمہارے ذہن میں یہ ہونا چاہئے کہ ایک دن تمہیں مر کر خاک میں واپس جانا ہے۔ اور جب دوبارہ خاک سے اپنا سر اٹھاتے ہو تو تمہارے ذہن میں ہونا چاہئے کہ ایک مرتبہ پھر اس خاک سے اٹھائے جاؤ گے۔

اہل خانہ کے حوالے سے ذمے داری

ایک اور نکتے کا ذکر کر کے اپنے عرائض ختم کروں گا:

میرا دل بہت چاہتا ہے کہ نماز جو دین کا ستون ہے' ہم اسکی اہمیت کو جان لیں' سمجھ لیں۔ سب جانتے ہیں کہ ہم اپنے اہل خانہ کی نماز کے ذمے دار ہیں۔ یعنی اپنے بیوی بچوں کی نماز کے ذمے دار ہیں۔ ہم میں سے ہر فرد خود اپنی نماز کا بھی ذمے دار ہے اور اپنے اہل خانہ کی نمازوں کا بھی' یعنی اپنے بیوی بچوں کی نمازوں کا بھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (۱)۔ اے پیغمبرؐ! اپنے اہل خانہ کو نماز کی تاکید کیجئے اور خود بھی نماز کے بارے میں صابر رہئے۔ یہ (حکم) صرف پیغمبرؐ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہم سب اس بارے میں ذمے دار ہیں۔

بچوں (کو نماز کا عادی بنانے کے لئے ان) کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

اس سلسلے میں بچوں کو بچپنے ہی سے نماز کی مشق کرانی چاہئے۔ شریعت کا حکم ہے کہ

۱- اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر کریں۔ سورۂ طٰہٰ ۲۰- آیت ۱۳۲۔

بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کی مشق کراؤ۔ ظاہر ہے کہ سات سالہ بچہ صحیح طور سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ وہ نماز کی حرکات وسکنات ادا کرسکتا ہے' اسی عمر سے نماز کا عادی ہوسکتا ہے۔ (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی)۔ یعنی جوں ہی بچہ پرائمری کلاسوں میں آئے تو اسے اسکول میں نماز سکھانی چاہئے۔ گھر میں بھی اسے نماز سکھانا چاہئے۔ البتہ ایک بات پر توجہ رہے' اور وہ یہ کہ بچے کو بالجبر اور زبردستی نماز سکھانا' اسے اس طرح نماز پر آمادہ کرنا' نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔

کوشش کیجئے کہ آپ کے بچے ابتداء ہی سے شوق اور رغبت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ آپ ان کے اندر نماز سے لگاؤ پیدا کریں' جس طرح بھی ممکن ہو بچوں کے لئے شوق کے اسباب فراہم کریں تاکہ وہ ذوق وشوق سے نماز پڑھیں۔ اس سلسلے میں ان کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کیجئے' انہیں انعام دیجئے' ان سے محبت کا اظہار کیجئے' یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگیں کہ جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو آپ کے دل میں ان کے لئے محبت بڑھ جاتی ہے۔

مزید یہ کہ بچے کو ایسے ماحول میں لے جائیے جس میں اس کے اندر نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ اگر بچہ مسجد جائے' اگر اجتماع میں جا سکے اور لوگوں کو اجتماعی طور پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھے تو اس میں نماز کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ درحقیقت اجتماع میں حاضری انسان میں شوق پیدا کرتی ہے۔ بڑی عمر کا انسان بھی جب اپنے آپ کو عبادت گزار لوگوں کے مجمع میں پاتا ہے تو اس میں بھی عبادت کی روح بڑھتی ہے' بچہ تو بڑے کی نسبت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔

افسوس کہ مساجد' عبادت گاہوں اور مذہبی محافل میں ہمارے کم جانے اور بچوں کے بہت کم دینی اجتماعات میں شرکت کرنے کی باعث' ان میں ابتداء ہی سے عبادت کی جانب رغبت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ رغبت پیدا کرنا آپ کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

اسلام جو یہ کہتا ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کی تلقین کرو' تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ

آپ آقاؤں کے سے انداز میں انہیں حکم دیں، ڈرائیں، دھمکائیں، ان کے سر پر سوار ہو جائیں۔ نہیں، بلکہ ہر اس ذریعے سے استفادہ کیجئے جس کے بارے میں آپ سمجھتے ہوں کہ آپ کے بچوں کو نماز کی جانب راغب کرنے اور انہیں اس کا شوق دلانے کے سلسلے میں مفید واقع ہوگا۔

ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ مسجد جانے کا اہتمام کرنا چاہئے، تاکہ وہ مساجد اور عبادت گاہوں سے آشنا ہوں۔ خود ہم لوگ جو اپنے بچپنے ہی سے مساجد اور معابد سے آشنا تھے، اب آج کے ان حالات میں کس قدر مسجد جاتے ہیں؟ ہمارے بچے سات برس کی عمر سے اسکول جاتے ہیں، اسکول کے بعد کالج اور پھر یونیورسٹی لیکن کبھی انہوں نے مسجد میں قدم نہیں رکھا ہوتا، ایسی صورت میں کیا وہ مسجد جائیں گے؟ جی ہاں! یہ بچے لازماً مسجد سے دور رہیں گے۔ اس صورتحال میں کیا آپ یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ مساجد کے حالات اچھے نہیں یا مثلاً (مذہبی اجتماعات میں) خطیب حضرات نامناسب باتیں کرتے ہیں (اس لئے ہم اپنے بچوں کو ان جگہوں سے دور رکھتے ہیں)۔ ان چیزوں (مساجد اور منابر) کو درست کرنا بھی ہمارا فریضہ ہے۔ فریضہ کسی مقام پر ختم نہیں ہو جاتا۔ اپنی مساجد کی اصلاح بھی ہماری ذمے داری ہے۔

پس اس بات کو بھی کبھی فراموش نہ کیجئے گا کہ ہم پر خود اپنی نماز کی ادائیگی بھی فرض ہے اور اپنے اہلِ خانہ کو نماز کا عادی بنانا بھی ہمارا فریضہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہم ان میں نماز کی جانب رغبت اور لگاؤ پیدا کریں، جس قدر ممکن ہو نماز پڑھنے کے فوائد اور خصوصیات اور نماز کے فلسفے سے اپنے بچوں کو آگاہ کریں۔

قرآنِ کریم کہتا ہے کہ جب بعض اہلِ جہنم کو عذاب دیا جا رہا ہوگا تو ان سے پوچھا جائے گا: مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ (کس چیز نے تمہیں اس جہنم میں پہنچایا ہے) قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ (ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں

کو کھانا نہیں کھلاتے تھے) وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِينَ (لغو باتوں کی جگہ پر جاتے تھے۔ سورۂ مدثر ۷۴۔ آیت ۴۲ تا ۴۵) جہاں کہیں بھی دین مخالف باتیں کی جاتی تھیں، وہاں جا کر انہیں سنتے تھے، یا خود ایسی باتیں کرتے تھے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

یہاں سے سمجھ لیجئے کہ اسلام میں نماز کو اس قدر اہمیت کیوں حاصل ہے؟ کیوں پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ نماز اس خیمے کا ستون ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز قائم ہو اور اسکا صحیح صحیح اجراء ہو تو ہر چیز ٹھیک ہو جائے۔

حضرت علیؑ نے اپنی آخری وصیتوں میں، جنہیں آپ نے بارہا سنا ہوگا اور جو اللہ اللہ سے شروع ہوتی ہیں (یہ وصیتیں کرنے کے چند ہی لمحے بعد آپؑ نے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی تھی)۔ انہی وصیتوں میں آپؑ نے نماز کے بارے میں فرمایا: اللهَ اللهَ بِالصَّلاةِ فَإِنَّهَا عَمُودُ دِينِكُمْ (نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ نہج البلاغہ۔ مکتوب ۴۷)

روز عاشورا کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا اور جانتے ہوں گے کہ زیادہ تر شہادتیں ظہر کی نماز کے بعد واقع ہوئیں۔ یعنی ظہر کے وقت تک حضرت امام حسینؑ کے اکثر اصحاب، تمام بنی ہاشم اور خود امام حسینؑ (جو سب سے آخر میں شہید ہوئے) زندہ تھے۔ ظہر سے پہلے امام حسینؑ کے فقط تیس اصحاب، دشمن کی طرف سے ہونے والی ایک تیراندازی میں شہید ہوئے تھے، مگر امامؑ کے لشکر کے باقی دوسرے افراد ظہر کے وقت تک بقید حیات تھے۔

اصحابِ امام حسینؑ میں سے ایک شخص کو خیال آیا کہ ظہر کی نماز کی ادائیگی کا اول وقت آ پہنچا ہے۔ وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یا ابا عبداللہ! نماز کا وقت ہوا چاہتا ہے، ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ کی اقتدا میں آخری نمازِ جماعت ادا کریں۔ امامؑ نے نظر اٹھا کر (آسمان کی طرف) دیکھا اور نماز کا وقت ہو چکنے کی تصدیق کی۔ ساتھ ہی کہا کہ

فرمایا: ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ یا: ذَکَّرْتَ الصَّلٰوۃَ۔ اگر ''ذَکَرْتَ'' کہا ہو تو معنی ہوں گے کہ تمہیں نماز یاد آئی' اور اگر ''ذَکَّرْتَ'' کہا ہو تو معنی کئے جائیں گے کہ تم نے مجھے نماز یاد دلائی ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ (تم نے نماز یاد دلائی' خدا تمہیں نماز گزاروں میں سے قرار دے)

تصور کیجئے کہ ایک ایسا شخص جو سر بکف ہے' اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہے' ایسے مجاہد کے بارے میں امامؑ دعا فرما رہے ہیں کہ خدا تمہیں نماز گزاروں میں سے قرار دے۔ دیکھا آپ نے حقیقی نماز گزار کتنا عظیم مقام رکھتا ہے۔

فرمایا: ہاں' ہم نماز پڑھیں گے' اسی جگہ میدان جنگ میں نماز پڑھیں گے۔

اس موقع پر ایسی نماز پڑھی گئی جسے فقہ میں ''نمازِ خوف'' کہا جاتا ہے۔ نمازِ خوف' مسافر کی نماز کی مانند چار رکعت کی بجائے دو رکعت ہوتی ہے۔ یعنی انسان اگر اپنے وطن میں بھی ہو تو اسے دو رکعت ہی پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ حالات سازگار نہیں لہذا یہاں مختصر نماز پڑھنی چاہئے' اس لئے کہ تمام افراد کے نماز میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے دفاع کی صورتحال خراب ہو جائے گی۔ سپاہیوں کا فرض ہے کہ اس نماز کے دوران آدھے سپاہی دشمن کا مقابلہ کریں اور آدھے امام جماعت کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔ امام جماعت ایک رکعت پڑھنے کے بعد ٹھہرتا ہے تاکہ مقتدی اپنی دوسری رکعت پڑھ لیں۔ اسکے بعد وہ جا کے اپنے دوسرے ساتھیوں کی جگہ لے لیتے ہیں۔ جبکہ امام اسی طرح بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرتا ہے۔ پھر دوسرے سپاہی آتے ہیں اور امام کی دوسری رکعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

امام حسینؑ نے اسی طرح نمازِ خوف ادا کی۔ لیکن امامؑ کو ایک خاص صورتحال درپیش تھی۔ کیونکہ آپؑ دشمن سے زیادہ فاصلے پر نہ تھے۔ لہذا آپؑ کی حفاظت کرنے والا گروہ آپؑ کے بالکل سامنے کھڑا ہوا تھا' جبکہ بے حیا اور بے شرم دشمن نے انہیں نماز تک سکون

سے نہ پڑھنے دی۔ آپؑ نماز میں مشغول تھے کہ دشمن نے تیر اندازی شروع کر دی، آپؑ پر دو قسم کی تیر اندازی کی گئی، ان میں سے ایک زبان کی تیر اندازی تھی۔ دشمن کے ایک سپاہی نے چیخ کر کہا: حسین! نماز نہ پڑھو، تمہاری نماز کا کوئی فائدہ نہیں، تم اپنے زمانے کے امام (یزید) کے باغی ہو، لہٰذا تمہاری نماز قبول نہ ہو گی (نعوذ باللہ)۔ جبکہ دوسری تیر اندازی معمول کے مطابق کمانوں سے پھینکے جانے والے تیروں کی تھی۔ امام حسینؑ کے وہ ساتھی جنہوں نے اپنے آپ کو امامؑ کی ڈھال بنایا ہوا تھا ان میں سے ایک دو اصحاب (تیر لگنے کی وجہ سے) خاک پر گر پڑے۔ ان میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی اس وقت گرے جب امام حسینؑ اپنی نماز تمام کر چکے تھے۔ وہ جانکنی کے عالم میں تھے کہ امامؑ ان کے سرہانے پہنچے۔ انہوں نے امامؑ کو اپنے سرہانے دیکھ کر ایک عجیب جملہ کہا، عرض کیا: یـــا ابـــا عبـــدا للہ ! او فیـــت (اے ابا عبداللہ! کیا میں نے وفا کی؟)۔ یعنی اب اس حال میں بھی ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ امام حسینؑ کا حق اس قدر بلند و بالا ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے ایسی گرانقدر فداکاری بھی شاید کافی نہ ہو۔

صحرائے کربلا میں ابوعبداللہ الحسینؑ نے اس انداز سے نماز ادا کی۔

اباعبداللہ نے اس نماز میں تکبیر کہی، ذکر کیا، سبحان اللہ کہا، بحول اللہ وقوتہ اقوم واقعد کہا، رکوع و سجود کئے۔ اس نماز کے دو تین گھنٹے بعد امام حسینؑ کے لئے ایک دوسری نماز پیش آئی، دوسرا رکوع پیش آیا، دوسرے سجود پیش آئے۔ ایک دوسرے انداز سے آپؑ نے ذکر کیا۔ آپؑ کا رکوع اس وقت ہوا جب ایک تیر آپؑ کے مقدس سینے میں اترا اور آپؑ اسے اپنی پشت کی طرف سے نکالنے پر مجبور ہوئے۔

کیا آپ کو پتا ہے کہ اباعبداللہ کے سجود کی کیا صورت تھی؟ آپؑ نے پیشانی پر سجدے نہیں کئے، کیونکہ آپؑ بے بس ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرے تھے، لہٰذا آپؑ نے اپنا داہنا رخسار کربلا کی گرم ریت پر رکھا۔

اس موقع پر ابا عبداللہ کا ذکر تھا: بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَ عَلىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ، وَلا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَصَلَّى اللهُ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّاهِرِينَ''

بِسْمِكَ الْعَظِيمِ الْاَعْظَمِ.

خدایا! ہماری عاقبت خیر فرما، ہم سب کو اپنی عبادت، عبودیت اور بندگی کی توفیق کرامت فرما۔

خدایا! ہمیں حقیقی نماز گزاروں میں سے قرار دے، ہم سب کی نیتوں کو خالص کر دے۔ ہمیں شیاطینِ جن وانس کے شر سے محفوظ فرما۔

خدایا! ہم سب کے مرحومین کی مغفرت فرما۔ رحم اللہ من قرأ الفاتحۃ مع الصلوات۔